الاعتقاد

فہرست

پیغامِ تہنیت

نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَنجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر کے اہتمام سے تقریباً پچاس سال پہلے 1967ء میں، زیر سرپرستی **فقیر ملّت حضرت سید میرک شاہ صاحب کاشانی علیہ الرحمہ وزیرِ صدارت امیر شریعت حضرت علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاری علیہ الرحمہ**، چودہ صد سالہ نزولِ قرآن کانفرنس کا انعقاد خانقاہِ معلیٰ سری نگر میں کیا گیا۔ کانفرنس میں ریاست و بیرونِ ریاست کے بااثر علماءِ دین اور سرکردہ شخصیات نے شرکت فرمائی، جس کی مفصل رپوٹ ۱۹۶۸ء میں ماہنامہ **اَلتبلیغ** میں شائع ہوئی۔

انجمن ہی کے اہتمام سے پچھلے سال یعنی 26 جون 2016ء مطابق ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ حنفی عربی کالج نور باغ سری نگر کے احاطے میں ''**یک روزہ پندرہ صد سالہ نزولِ قرآن کانفرنس**'' کا انعقاد کیا گیا۔ کانفرنس میں وادی بھر سے آئے اراکینِ انجمن نے شرکت کی جن میں اچھی خاصی تعداد نوجوانوں کی تھی۔ اس موقعہ پر انجمن سے وابستہ علماء کرام نے عظمت قرآن کے حوالے سے مقالات پڑھے۔ کانفرنس کے روز ہی ہم نے ارادہ کیا تھا کہ ان مقالات کو اگلے مہینے یعنی شوال میں شائع کیا جائے گا......لیکن وادی کے حالات نے ایسی کروٹ لی کہ تقریباً چھ ماہ تک ہماری ساری سرگرمیاں ٹھپ ہوگئیں۔ **عزیزی سید آصف رضا (معاون مدیر ماہنامہ الاعتقاد)** نے اُن مقالات اور دوسرے مضامین کو مرتب کر کے ماہنامہ **اَلاعتقاد** کا یہ خاص نمبر ''**عظمتِ قرآن نمبر**'' تیار کیا، جس کے لئے میں تہہ دل سے اُن کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم اس خاص نمبر کو شہرِ قرآن یعنی رمضان المبارک میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ ہمیں قرآن پڑھنے، سمجھنے، سمجھانے اور اس کے احکامات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(مولانا) سیّد فرید الرحمٰن بخاری
صدر اَنجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر
ومہتمم حنفی عربی کالج نور باغ سری نگر
ومدیرِ اعلیٰ ماہنامہ **اَلاعتقاد**

الاعتقاد

اِداریہ

امام اِعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پیشوائے اہلِ سنّت آں امام اعظمؒ است
آنکہ در علم و عمل از جملہ عالم اعلم است
(صرفیؒ)

قارئین حضرات ! یہ شمارہ ماہ شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ مطابق ماہ مئی ۲۰۱۷ء آپ کے زیر مطالعہ ہے۔اس مقدس مہینے میں اس اُمت کے مایہ ناز عالم باعمل شخصیت کا یوم وصال ۴؍شعبان المعظم کو خراج عقیدت کے ساتھ منایا جاتا ہے۔خاص کر حنفیہ عربی کالج کے امام اعظم ہال میں علامہ سیّد محمد قاسم شاہ صاحب بخاری علیہ الرحمہ کے دور سے زیر اہتمام انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر نہایت تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے اور آج اسی روایت کو قائم رکھتے ہوئے موجودہ صدر محترم مولانا سیّد فرید الرحمٰن بخاری مدظلہ العالی سے منایا جاتا ہے اور اس مہینے کی چار تاریخ کو نہایت حُسن اہتمام اور عقیدت سے منایا گیا۔انجمن کے مقتدر اور مقررین علماء نے بڑے جوش اور جذبے سے امام العالم امام اعظمؒ کے تیئں صدر محترم کی صدارت میں امام العالمؒ کے تیئں ان کی دینی کارناموں اور روحانی بصیرت، حلال وحرام ،جائز وناجائز ،پسندیدہ اور ناپسندیدہ اُمور اور فقہی امورات واحکامات کو بیان فرما کر آج کے دور میں اصلاح معاشرہ، طلباء وطالبات کو دینی شعور اور مسلک حنفی کی خصوصیات سے باخبر کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔

امام العالم حضرت نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہٗ ممتاز مقام کے مالک ہیں ،جن کے درس حدیث سے حضرت امام بخاریؒ ،امام مُسلمؒ اور ابوداودؒ وغیرہم جیسے عظیم مایہ ناز محدثین کرام بالواسطہ فیض یاب ہوئے اور جن کے تفقہ فی الدین سے امام محمدؒ ،امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ فقہاء اسلام نے وافر حصہ حاصل کیا۔آپؒ بیک وقت محدث ،مفسر، فقیہہ، قانون دان اور احسان سلوک کے عظیم مرتبہ پر فائز تھے۔

عالم عمران موصلی علیہ الرحمہ کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کو اللہ برتر اعلیٰ نے ایسے دس خصائل حمیدہ سے نوازا تھا۔کہ ان میں سے اگر ایک صفت بھی کسی میں موجود ہو تو وہ اپنی قوم کا رئیس اور قبیلے کی سعادت حاصل کرسکتا ہے۔اور وہ دس صفات یہ ہیں؛ پرہیز گاری ،صداقت ،سخاوت ،فقہی مہارت ،عام لوگوں سے نرمی ومحبت ،پُر خلوص ہمدردی، نفع پہنچاننے میں سبقت ،طویل خاموشی (فضول گوئی سے اجتناب) گفتگو میں راست گوئی اور مظلوم کی معاونت چاہئے دوست ہو یا دشمن۔

قارئین کرام! امام اعظمؓ کی حیات زندگی ایک کُھلی اور روشن کتاب ہے۔ایک دن کا واقعہ ہے آپ ایک گلی سے گزر رہے تھے۔دیکھا ایک لڑکا مٹی اور کیچڑ سے کھیل رہا تھا۔امام صاحب نے پیار سے اس کو کیچڑ میں کھیلنے سے منع فرمایا اور کہا ! پھسل جاؤ گے۔ہڈی پسلی ٹوٹ جائیگی تو اس لڑکے نے امام صاحبؒ سے کہا، مجھے اپنے پھسلنے کا غم نہیں اگر پھسلوں گا تو ایک فرد کا نقصان ہوگا ،مگر مجھے تو اپنے سے زیادہ آپ کے پھسلنے کا اندیشہ ہے کہ آپ کی لغزش سے ایک جہان کی لغزش ہوگی۔خدانخواستہ اگر تم پھسل جاؤ گے تو پورے دین اسلام کا ضرر ہوگا۔امام اعظمؒ پر اس لڑکے کی یہ حکمت بھری نصیحت اثر کرگئی اور ہمیشہ یاد رکھ کر اپنے شاگردوں سے تاکیداً

کہا کرتے۔دیکھو مسائل تحقیق واستنباط میں حتی المقدور کوشش کرنا۔کیونکہ عالم کی لغزش پورے عالم کی لغزش ہے۔آج کے علماء کرام کو اس بات سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنی چاہئے کہ قوم کی نظریں ہر وقت ان پر لگی رہتی ہیں ۔تاڑنے والے غضب کی فہم وفراست رکھتے ہیں۔

جدید دور میں اہل زمانہ اپنے دنیوی کاروبار ،تجارت ،لین دین ،ملازمت اور مختلف قسم کے معاشی اور اقتصادی دھندوں میں صبح وشام مصروف عمل ہیں ۔معاشرہ میں بے راہ روی ،جنسی جرائم ،فحاشی ،بے حیائی ،اشتراکیت ،دہریت ،ذہنی ارتعاش ،زہریلے اور خطرناک لٹریچر ،فحش ناولوں اور ڈائجسٹوں ، انٹرنیٹ پر ننگے تصویروں کے دلداہ ،قومی اور ملی جرائم کے ارتکاب میں ملوث ہوکر قوم وملک وملت کی ہلاکت اور تباہی کے باعث بنے ہیں ۔لہٰذا مقررین وعلماء حضرات کو وقت کی نزاکت سمجھ کر خالص دینی جذبہ کے تحت امام اعظم ابوحنیفہؒ جیسے عالم ربّانی کی سوانح حیات اور آپؒ کے اخلاق وعادات اُسوۂ حسنہ رسول اللہ ﷺ پر مطالعہ کر کے پرکھ کر اپنی علم وعمل کا جائزہ لے کر سلف صالحین کی پیروی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ اختصاراً عرض پرداز ہوں کہ زندگی کو عارضی جان کر اللہ ورسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کر کے اهدنا الصراط المستقيم پر کاربند رکھ کر صالحین کے ہم نشین بن کر ہر وقت ہر لمحہ ان کو یاد کر کے اپنا تقدیر سنواریں۔و آخر دعوانا ان الحمد لله الرب العالمين.

کمترین:۔غلام حسن زرگر عفی عنہٗ☆

بقیہ درسِ قرآن

صورت بنانے والا ،تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔الایۃ

''الخالق'' کا معنیٰ ہے: کسی کو عدم سے وجود میں لانے والا۔نیز خلق کا معنیٰ تقدیر ہے، وہ کسی چیز کو کسی مخصوص صورت میں مقدر فرماتا ہے اور وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کو وجود میں لے آتا ہے۔

''البــاری'': یعنی وہ صانع اور موجد ہے اور کسی سابق نمونہ اور مثال کے چیزوں کو وجود میں لاتا ہے، کسی چیز کو بغیر مادہ کے پیدا کرنے والا خالق ہے اور بغیر مثال کے پیدا کرنے والا باری ہے۔

''المــصــور'': وہ جس طرح چاہتا ہے مخلوق کی صورت بناتا ہے، خالق کو باری پر مقدم کیا، کیونکہ خالق کا تعلق ارادہ سے ہے اور باری کا تعلق تاثیر قدرت سے ہے اور ارادہ تاثیر قدرت ہے اور باری کو مصور پر مقدم کیا کیونکہ ذات صفت پر مقدم ہوتی ہے اور باری کا تعلق ذات سے ہے اور مصور کا تعلق صفت سے ہے۔

اور فرمایا: تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔اس کی تفسیر الاعراف: ۱۸۰ میں گذر چکی ہے۔

اور اس آیت کے آخر میں فرمایا: آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اسی کی تسبیح کرتی ہیں، اس کی تفسیر الحدید کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے رات یا دن میں سورۃ الحشر کی آخری (تین) آیتیں پڑھیں اور اس رات یا دن میں اللہ تعالیٰ نے اس کی روح قبض کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت کو واجب کر دیا۔(شعب الایمان رقم الحدیث: ۲۵۰۱، الکامل لابن عدی ج ۳ص ۳۱۸)

(تبیان القرآن؛ ج ۱۱ص ۸۳۶۔۸۳۴) ☆☆☆

حرفِ اوّل

''خوار اَز مہجوریٔ قرآن شدی....!''

سید آصف رضا

ماہنامہ ''**اَلاعتقاد**'' کا یہ خصوصی نمبر ''**عظمتِ قرآن نمبر**'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ۲۴؍جون **۲۰۱۶ء** کو انجمن کی طرف سے ایک عظیم الشان ''**پندرہ صد سالہ نزولِ قرآن کانفرنس**'' کا انعقاد کیا گیا، اس کانفرنس میں جو مقالے پڑھے گئے ان میں سے چند اس خصوصی نمبر کے زینت بنے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی ایسے منتخب مضامین سے بھی اس کو مزّین کیا گیا ہے جو ہماری علمی پیاس بجھانے کے ساتھ ساتھ ہمارے اندر داعیانہ تڑپ بھی پیدا کریں گے۔ اِن شَاء اللّٰہ ﷻ۔ امید قوی ہے کہ ہماری اس کوشش کی سراہنا کی جائے گی اور آئندہ کے لئے مفید مشوروں سے نوازا بھی جائے گا۔ ہمیں آپ کی آراء کا انتظار رہے گا.......

آج کی تاریخ میں جب ہم عالمی حالات پر غور کرتے ہیں تو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ یہ حالات بالخصوص مسلمانوں کے لئے موافق نہیں ہیں۔ غیر مسلم قوتیں ہر میدان میں مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار نظر آتیں ہیں۔ نہ اقوامِ متحدہ میں ہماری کوئی حیثیت ہے اور نہ عالمی سطح پر ہماری کوئی وقعت رہ گئی ہے۔ بہانے بنا بنا کر ہمارے شہروں کے شہر تباہ کئے جاتے ہیں، مہلک ترین ہتھیار استعمال کرتے ہوئے معصوم بچوں تک کو بھی مارا جاتا ہے۔....المختصر آج مسلمانوں کی نہ عزتیں محفوظ ہیں، نہ مسجدیں محفوظ ہیں، نہ عصمتیں محفوظ ہیں اور نہ ہی دینی شعائر اور ادارے محفوظ ہیں۔

ان ہی حالات کے بارے میں حکیم الامت علامہ اقبالؒ ''رموزِ بیخودی'' میں فرماتے ہیں:

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی / شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

''یعنی تیری اس ذلّت وخواری کا سبب یہ ہے کہ تو نے قرآنِ حکیم سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا۔ اس لئے تو آفات ومصائب میں مبتلا ہے اور اسی لئے گردشِ دوراں (تقدیر) کی شکایت کررہا ہے۔''

یہ حال دنیا کا ہے کہ قرآن سے تعلق منقطع کرنے کے باعث ہمارے ایسے حالات ہیں۔ اب ذرا تصور کیجیے میدانِ حشر کا جہاں اوّلین وآخرین جمع ہوں گے۔ سب کی اُمیدیں شافعِ محشر ﷺ سے وابستہ ہوں گی۔ ہاں! اُس روز لوگ جس کسی کے پاس بھی مدد مانگنے جائیں گے تو سب انکار کریں گے اور پھر جب حبیبِ کبریا ﷺ کے پاس پہنچیں گے تو آپ ﷺ مدد فرمائیں گے۔ (صحیح بخاری؛ کتاب: تفسیر القرآن؛ الرقم: 4441)۔ (یہ پہلی شفاعت ہے جو سب کے لئے ہے۔) ....اور پھر ایسا وقت بھی آئے گا جب آقا کریم ﷺ ہی قرآن کے ساتھ بے وفائی کرنے والوں کی شکایت اللہ کے حضور ان الفاظ میں کریں گے: وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا O [الفرقان: ۳۰] ''**اور رسول (اکرم ﷺ) عرض کریں گے: اے رب! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو بالکل ہی چھوڑ رکھا تھا**''۔....(اللہ ہم سب کو اُس دن کی رُسوائی سے محفوظ رکھے۔ آمین)

حساس دل رکھنے والوں کو یہ سوال تڑپا دیتے ہیں کہ اوپر ذکر کی گئی صورتِ حال سے نجات کیسے ملے؟ پھر سے عزت کا مقام حاصل کرنے اور آخرت کی شرمندگی سے بچنے کی کیا صورت ہے؟ اس سوال کا جواب دانائے راز علامہ اقبالؒ، مسلمانوں سے مخاطب ہو کر، یوں دیتے ہیں:

اے چو شبنم بر زمیں افتندۂ / در بغل داری کتابِ زندۂ // تا کجا در خاک می گیری وطن / رخت بردار سرِ گردوں فگن

''یعنی مایوس مت ہوں! تمہارے پاس قرآنِ حکیم (زندہ کتاب) موجود ہے۔ تم کب تک ذلّت وخواری کی موجودہ حالت برداشت کرتے جاؤ گے؟ اگر تم اس کتاب کو رہنما بنالو گے تو تم دوبارہ اس دُنیا میں سربلند ہو سکتے ہو''..................اور اس طرح دُنیا وآخرت میں سرخرو ہوں گے۔ ☆☆☆

درسِ قرآن

عظمتِ قرآن بزبانِ قرآن

اردو ترجمہ: ڈاکٹر محمد طاہر القادری	کاشُر ترجمہٕ: علامہ سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاریؒ	تفسیر: علامہ غلام رسول سعیدیؒ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِO بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ O هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُO هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ O هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُO (سورة الحشر: ٢١-٢٤)

اردُو ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہےO اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب!) تو اسے دیکھتا کہ وہ اللہ کے خوف سے جھک جاتا، پھٹ کر پاش پاش ہو جاتا، اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کر رہے ہیں تا کہ وہ غور وفکر کریںO وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے، وہی بے حد رحمت فرمانے والا نہایت مہربان ہےO وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (حقیقی) بادشاہ ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر نقص سے سالم (اور سلامتی دینے والا) ہے، امن وامان دینے والا (اور معجزات کے ذریعے رسولوںؑ کی تصدیق فرمانے والا) ہے، محافظ ونگہبان ہے، غلبہ و عزّت والا ہے، زبردست عظمت والا ہے، سلطنت و کبریائی والا ہے، اللہ ہر اُس چیز سے پاک ہے جسے وہ اُس کا شریک ٹھہراتے ہیںO وہی اللہ ہے جو پیدا فرمانے والا ہے، عدم سے وجود میں لانے والا (یعنی ایجاد فرمانے والا) ہے، صورت عطا فرمانے والا ہے۔ (الغرض) سب اچھے نام اسی کے ہیں، اس کے لئے وہ (سب) چیزیں تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑی عزت والا ہے بڑی حکمت والا ہےO **(عرفان القرآن)**

کاشُر ترجمہ: اللہ تعالیٰ سُنٛدِ نامِ پاک ستی شروع یُس سبٛٹھاہ مہربان (تہٕ) سبٛٹھاہ بخشوُن چھُO ہرگاہ اَسہِ یہٕ قرآن کُنہِ کوہَس پیٹھ نازِل آسہِ ہے کورمُت تہٕ اے مخاطِب ژٕ وُچھ ہکھ ضرور زِ سُو سَپِد ہے ضرور خوف زدہٕ سَپِد ہے سُو چھَلہِ چھَلہِ اللہ تعالیٰ سِنٛدِ خوفِ سَبَبہِ بیہ یمہِ مثالہٕ چھِ اُس لوُکن ہٕندی خاطرِ اوے بیان کران تا کہ تِم کرن غور وفِکرO سُو خُدا چھُ سُوی یَس سِوا کانہہ اکھاہ لائقِ بندگی چھُنہٕ۔ سُوی چھُ پوشیدہٕ چیزن تہٕ ظاہری چیزن وارہٕ پاٹھی زانَن وول۔ سُو چھُ بے حد رحم کرُن (تہٕ) بخشنہارO سُو خُدا چھُ سُوی یَس سِوا کانہہ اکھاہ لایقِ بندگی چھُنہٕ۔ سُو چھُ حقیقی بادشاہ۔ پرتھ عیبہِ نِشہِ سبٛٹھاہ پاک، سلامتی ہندشان تھاوَن وَول، امن واَمان عطا کرن وول زبردست، خرابی درست کرن وول بڑہٕ بجرُک مالِک اللہ تعالیٰ چھُ تمو چیز وِنشہٕ پاک یم تَس سیت یم لوٗکھ شریک چھِ بناوانO سُو خدا چھُ پرتھ چیز پادٕ کرن وول ٹھیک ٹھیک بناوَن وول بیون بیون صوٗرژٕ عطا کرن وول رٕت ناو چھ خاص کر تیم سنٛدِ خاطرِ تیم سنز پاکی چھِ بیان کران تِم مخلوٗق یم آسمانَن تہٕ زمینس منٛز چھِ بیہ سُو چھُ غالِب (تہٕ) پرتھ چیز کَس تہٕس تان واتَن وولO **(کفایت البیان)**

تفسیر

قرآن مجید کی عظمت: مؤمنوں سے خطاب کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی عظمت بیان فرما رہا ہے کہ اگر پہاڑ میں تمہاری طرح عقل رکھ دی جاتی، پھر اس پر قرآن کریم نازل کیا جاتا تو وہ خشوع سے اللہ کے لیے جھک جاتا اور خوفِ الٰہی سے پھٹ جاتا، اور اس مثل کے بیان سے یہ غرض ہے کہ کفار کے دلوں کی سختی پر متنبہ کیا جائے اور ان کی طبیعت کے جمود کی طرف متوجہ کیا جائے، قرآن مجید میں ہے: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ [البقرہ: ۷۴] "پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے پس وہ پتھروں کی طرح بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت ہیں۔"

غیب کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ اور لفظ عالم الغیب کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا: الحشر: ۲۲ میں فرمایا: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہر غیب اور شہادت (باطن وظاہر) کا جاننے والا ہےo

غیب سے مراد وہ چیز ہے جو لوگوں سے غائب ہو اور شہادت سے مراد وہ چیز ہے جو لوگوں کے سامنے حاضر ہو، یہ غیب کا لغوی معنیٰ ہے اور غیب کا اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ وہ پوشیدہ چیز جس کو حواسِ خمسہ اور بداہت عقل سے نہ جانا جا سکے، مثلاً جنت غیب ہے، ہم اس دنیا میں آنکھ سے دیکھ کر اس کو نہیں جان سکتے، نہ اس کی کسی آواز کو سن کر اسے جان سکتے ہیں، اسی طرح اس کو چکھ کر، سونگھ کر اور چھو کر نہیں جان سکتے، اور نہ بغیر غور اور فکر کے جان لیتے ہیں کہ دو اور دو کا مجموعہ چار ہوتا ہے، سو ہم جنت اور دوزخ کو، فرشتوں کو، عرش اور کرسی کو از خود نہیں جان سکتے، یہ سب چیزیں غیب ہیں۔ اسی طرح ہم اللہ تعالیٰ کو بھی ہم از خود نہیں جان سکتے وہ بھی غیب ہے، البتہ غور وفکر کر کے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دینے سے ہم ان سب چیزوں کو جان لیتے ہیں۔

عالم الغیب اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ ہے اور کسی مخلوق پر عالم الغیب کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے زیادہ علم غیب عطا فرمایا ہے اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا جائز نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلویؒ لکھتے ہیں: ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہٗ کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے، کشاف میں لکھا ہے: غیب سے مراد ہو مخفی چیز ہے جس میں ابتداء صرف اللطیف الخبیر کا علم نافذ ہوتا ہے اور ہمیں اس غیب سے اسی چیز کا علم حاصل ہوتا ہے، جس کی ہمیں خبر دے دی جاتی ہے یا جس پر ہمارے لیے کوئی عقلی دلیل قائم کر دی جاتی ہے، اس لیے یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں شخص غیب جانتا ہے اور جس غیب کا ہمیں علم دے دیا گیا یا جس پر ہمارے لیے دلیل قائم کر دی گئی، اس کی مثال ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات اور نبوت اور اس کے متعلق چیزیں اور قیامت اور حشر و نشر اور حساب اور وعد اور وعید وغیرھا۔ (الکشاف ج۱ص۸۰، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں: اور اس سے انکار معنیٰ لازم نہیں آتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب وما کان وما یکون کے عالم ہیں، مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا

جائے گا، جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً عزت وجلالت والے ہیں، تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز وجلیل نہ ہے نہ ہوسکتا ہے، مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں ہے۔ (الی قولہ)

علامہ سید شریف قدس سرہٗ حواشی کشاف میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے غیر پر علم غیب کا اطلاق اس لیے جائز نہیں ہے کیونکہ علم سے متبادر یہ ہوتا ہے جس کو ابتداء علم ہو، پس یہ منافی ہوگا، لیکن اس میں قید لگائی جائے اور یہ کہا جائے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم دیا یا اس کو غیب پر مطلع فرمادیا تو پھر کوئی حرج نہیں۔ (حاشیۃ الکشاف علی الکشاف ج۱ ص ۱۲۸، مصر) (فتاویٰ رضویہ ج۹ ص ۸۱، مکتبہ رضویہ کراچی)

"الملک، القدوس، السلام، المومن، العزیز، الجبار" اور "المتکبر" کا معنیٰ: الحشر: ۲۳ میں فرمایا: وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ بادشاہ ہے، بہت پاک۔ الایۃ۔

"القدوس" کا معنیٰ ہے: جو اپنی ذات، صفات، افعال، احکام اور اسماء میں ہر عیب اور نقص سے منزہ ہو۔

"السلام" اس کا معنیٰ ہے: ہر عیب اور نقص سے سلامتی والا یا سلامتی عطا کرنے والا۔

"المومن" اس کا ایک معنیٰ ہے: امان دینے والا، دوسرا معنیٰ ہے: تصدیق کرنے والا یعنی اپنے رسولوں اور اپنی کتابوں کی تصدیق کرنے والا۔

"المھیمن" اس کا معنیٰ ہے: شاہد جس سے کوئی چیز غائب نہ ہو۔

"العزیز" اس کا معنیٰ ہے: غالب جس کی کوئی نظیر نہ ہو۔

"الجبار" اس کا معنیٰ ہے: قہر اور جبر کرنے والا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: "جبار" کا معنیٰ ہے: عظیم بادشاہ۔

"المتکبر" حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: وہ اپنی ربوبیت میں سب سے بڑا ہے، اس کی مثل کوئی پرورش کرنے والا نہیں ہے۔ ابن الانباری نے کہا: وہ کبریائی والا ہے۔

اللہ کے لیے "المتکبر" کا لفظ باعث مدح ہے اور مخلوق کے لیے باعث مذمت ہے:

مخلوق کے لیے متکبر کی صفت مذموم ہے، کیونکہ متکبر وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا اور بلند جانے اور یہ اس کی صفت نہیں ہے، بلکہ وہ واقع میں حقیر، ذلیل اور مسکین ہے، پس جب وہ اپنے لیے بڑائی اور بلندی ظاہر کرے گا تو وہ جھوٹا ہوگا۔ اور اللہ سبحانہٗ کے لیے ہی تمام بڑائیاں اور بلندیاں ہیں، پس جب وہ اپنی بڑائی اور بلندی کو ظاہر کرے گا تو وہ مخلوق کو اپنی صفات عظمت وجلال و کبریائی کی طرف ہدایت دے گا، اس لیے اللہ تعالیٰ کے حق میں "متکبر" کا لفظ غایت مدح کا مظہر ہے۔ پھر فرمایا: مشرکین اس کے متعلق جو کچھ کہتے ہیں، وہ اس سے پاک ہے، جو لوگ تکبر کرتے ہیں، وہ اس صفت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ اس شرکت سے پاک ہے، پس ان کا تکبر کرنا اپنے آپ کو جھوٹا بنانا ہے اور اللہ سبحانہٗ کے لیے سب سے زیادہ بلندی اور بڑائی ہے، سو یہ اس کی صفت کمال ہے اور مخلوق کی صفت نقص ہے۔

"الخالق، الباری" اور "المصور" کا معنیٰ:

الحشر: ۲۴ میں فرمایا: وہی اللہ ہے، خالق، موجد، (بقیہ ص 5 پر)

درسِ حدیث

قرآن اور اہل بیتؓ رسول اللہ ﷺ

علامہ ومولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاریؒ علیہ الرحمہ

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنِّي تَارِكٌ فِيْكُمْ مَا اِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ: كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ وَ عِتْرَتِي: أَهْلُ بَيْتِي وَ لَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا كَيْفَ تَخْلُفُوْنِي فِيْهِمَا. هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ(أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: المناقب عن رسول اللّٰه ﷺ، باب: فی مناقب أهل بیت النبی ﷺ، ٥/٦٦٣، الرقم: ٣٧٨٦/٣٦٨٨، والنسائی فی السنن الکبری، ٥/٤٥، الرقم: ٨١٧٨، ٨٧٦٧، والحاکم فی المستدرک، ٣/١١٨، الرقم: ٨٥٧٦، والطبرانی عن أبی سعید رضی اللہ عنہ فی المعجم الأوسط، ٣/٣٧٤، الرقم: ٣٤٣٩)

ترجمہ: ''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے درمیان ایسی دو چیزیں چھوڑ کر دُنیا سے رخصت ہو رہا ہوں کہ اگر تم ان کا دامن پکڑے رہو گے اور اُن کی اتباع و پیروی کرتے رہو گے تو تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ ان دونوں چیزوں میں ایک چیز دوسری چیز سے بڑی ہے، وہ اللہ کی کتاب قرآنِ مجید ہے؛ یہ ایک رسی ہے جو آسمان سے زمین تک پھیلی ہوئی ہے یعنی ہر چیز پر محیط ہے۔ دوسری چیز میری اہلِ بیت رضی اللہ عنہم ہیں، یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوں گے۔ پس غور کرو کہ میرے بعد ان دونوں سے کیا معاملہ کرتے ہو؟'' (یہ حدیث حسن غریب ہے۔)

تشریح: حضور اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس حدیثِ مبارک میں تاکید فرمائی کہ قرآن اور اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ مطلب یہ کہ اگر ہدایت کی تلاش ہے، تو کتاب اللہ کی طرف رجوع کریں اور اگر پاکیزگی اور تقویٰ و طہارت کا نمونہ دیکھنا ہو تو اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی اقتداء اور پیروی کریں اور ان کی محبت وعقیدت جُزوِ ایمان سمجھیں۔ یہی دو چیزیں اسلامی زندگی کے دو ستون ہیں، دونوں چیزوں کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیں:

جہاں تک پہلی چیز ''قرآن مجید'' کا تعلق ہے تو سب جانتے ہیں کہ عصرِ حاضر میں مسلمان سب سے زیادہ قرآنِ کریم کے احکام و ہدایت سے غافل اور بے بہرہ ہیں اور آج کا مسلمان وقتی علوم وفنون میں گو کافی ترقی کر چکا ہے مگر وہ قرآن حکیم اور اس کے احکام سے غافل ہے مگر عملاً اور علماً قرآنِ کریم سے

> امام حسین رضی اللہ عنہ نے ساداتِ کرام کو اپنے عمل سے بتایا کہ ربّانی قرب ومرتبہ سجادوں پر بیٹھ کر حاصل نہیں ہوتا بلکہ ربّانی قرب حاصل کرنے کے لئے اپنا ننگ وناموس قربان کرنا پڑتا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو عموماً اور ساداتِ عظام کو خصوصاً اپنے عمل، زہد، ایثار، قربانی، دینی جذبہ اور خدمت سے ہی نہیں بلکہ وقت کے جباروں اور سرکشوں کا مقابلہ کر کے تنبیہہ کی کہ حقیقی سید اور حقیقی مسلمان کے لئے جان کی قربانی دینا آسان ہے مگر دین کے خلاف، اسلام کے خلاف اور سنت کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کی جاسکتی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے ساداتِ کرام کو اپنے عمل سے بتایا کہ ربّانی قرب ومرتبہ سجادوں پر بیٹھ کر حاصل نہیں ہوتا بلکہ ربّانی قرب حاصل کرنے کے لئے اپنا ننگ وناموس قربان کرنا پڑتا ہے۔

الاعتقاد

دور ہونے کے باوجود یہ خوش قسمت اپنے اعتقاد میں اپنے آپ کو پکا مسلمان قرار دیتا ہے اور اپنے اسلام پر نازاں ہے۔

دوستو! اسلام صرف چند اعتقادات و مفروضات کا نام نہیں؛ اسلام تو مکمل ضابطۂ حیات اور ربّانی احکام کی پابندی کا نام ہے، یہ مقام قرآنِ مجید کو پڑھے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا، قرآن سے دور افتادہ لوگ قرآن حکیم کے مقصد کو کیا سمجھیں کہ۔

"بے علم نتواں خدارا شناخت"

پس اگر آپ کے دل میں واقعی اپنے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ احترام و عزّت ہے تو خود بھی قرآن پڑھیئے اور اس کا معنیٰ و مطلب سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اس موقعہ پر ہمیں ان لوگوں کے حال پر سخت حیرانی ہے جو مسلمان ہونے کے باوجود اپنے خود ساختہ خیالات کی وجہ سے دُنیا بھر کے مسلمانوں کے احساس اور بنیادی معتقدات سے کٹ جاتے ہیں اور ذاتی مخترعات کی بناء پر مسلمانوں کو بجائے حرم کے سومنات کے طرف رہبری کرتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں ان مسلمانوں پر بھی سخت افسوس ہے جو قرآنِ حکیم کے سمجھنے کے باوجود اُسے سیاسی مصلحت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ بے شک قرآن رحمت ہے، برکت ہے اور اپنے پیروؤں کے لئے باعثِ نجات ہے؛ مگر شرط یہ کہ پورے اخلاص اور ایمانداری سے اس پر عمل کیا جائے۔ بدقسمتی سے کہیں بھی اُس پر عمل نہیں ہوتا۔ اس لئے مسلم اُمہ پر فرض ہے کہ اپنے اعمال و افکار کو قرآنِ حکیم کے تابع بنائیں؛ اسی صورت میں ان کا شمار مسلمانوں میں ہوگا اور اسی صورت میں دینی اور دنیاوی لحاظ سے مسلمان کامیاب و کامران ہوں گے۔ ورنہ زبان سے مسلمان کہنے اور کہلانے اور عملاً اغیار کے ہاتھ بٹانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو یہ طریق کار پسند نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

حدیثِ مذکور کے دوسرے جُز کا تجزیہ: حضور اکرم ﷺ نے اپنے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کی اطاعت و پیروی پر امت کو اُبھارا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہلِ بیت رسول ﷺ سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے صرف وہ لوگ مراد ہیں جو آپ ﷺ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں خواہ از روئے اعتقاد و اعمال، آپ ﷺ کی تعلیماتِ شریفہ سے کوسوں دور کیوں نہ ہوں۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اہلِ بیت سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کی ہدایات و تعلیمات پر خود بھی گامزن ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ ﷺ کی تعلیم و اتباع کی طرف ترغیب دیتے ہیں خواہ انہیں آپ ﷺ کے ساتھ نسبی تعلق ہو؛ جیسے حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، اور خواہ آپ ﷺ کے ساتھ نسبی تعلق نہ ہو جیسے حضرت شیخ نورالدین ولی کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محبوب العالم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم۔ یہ سب اہلِ بیت میں داخل ہیں۔ اور وہ سادات قطعاً اہلِ بیت رسول ﷺ میں داخل نہیں ہیں جن کے اعتقادات اور اعمال اور جن کا درون و بیرون قرآن وسنّت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی اہلِ بیت میں داخل نہیں جو اعمالِ صالح اور ظاہری حسنِ کردار کے باوجود قادیانیوں، لاہوریوں، چکڑالویوں اور بدباطنوں وغیرہم کا ساتھ دیتے ہیں اور در پردہ ان کی اعانت اور امداد کر کے جمہور مسلمین سے کٹ جاتے

ہیں۔ پس ایسے سادات سے نہ مرغوب ہونا چاہیے اور نہ ایسے حضرات سے تعلقات کو استوار کرنا چاہیے۔ ہاں اگر سادات کا نمونہ دیکھنا ہو تو شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ رضی اللہ عنہ کے جانبازوں کی طرف دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے قرآن وسنت کی عظمت وحرمت اور اس کے بقاء واحیاء کیلئے کربلا کے میدان میں وقت کے سرکش اور مغرور انسانوں کے ساتھ ٹکر لے کر راہِ حق میں اپنی مقدس جانیں نثار کیں مگر قرآن پر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دینِ حق پر آنچ نہ آنے دی۔

سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ اللہ است حسینؓ

امام حسین رضی اللہ عنہ نے ساداتِ کرام کو اپنے عمل سے بتایا کہ ربّانی قرب ومرتبہ سجادوں پر بیٹھ کر حاصل نہیں ہوتا بلکہ ربّانی قرب حاصل کرنے کے لئے اپنا ننگ وناموس قربان کرنا پڑتا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے تمام مسلمانوں کو عموماً اور ساداتِ عظام کو خصوصاً اپنے عمل، زہد، ایثار، قربانی، دینی جذبہ اور خدمت سے ہی نہیں بلکہ وقت کے جباروں اور سرکشوں کا مقابلہ کر کے تنبیہہ کی کہ حقیقی سید اور حقیقی مسلمان کے لئے جان کی قربانی دینا آسان ہے مگر دین کے خلاف، اسلام کے خلاف اور سنت کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کی جاسکتی۔ ☆☆

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بقیہ: سائنسی ایجادات

جس کی دریافت کے بعد جغرافیہ کے سائنسدانوں نے راحت کی سانس لی۔ عرب کے ریگستان میں اترنے والا پیغامِ حق قرآن کریم اس بارے میں فرماتا ہے: اَللّٰہُ الَّذِیۡ یُرۡسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیۡرُ سَحَابًا فَیَبۡسُطُہٗ فِی السَّمَآءِ کَیۡفَ یَشَآءُ وَیَجۡعَلُہٗ کِسَفًا فَتَرَی الۡوَدۡقَ یَخۡرُجُ مِنۡ خِلٰلِہٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖۤ اِذَا ہُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۝ [الروم: ۴۸] (ترجمہ: اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں پھر وہ اس (بادل) فضائے آسمانی میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے پھر اسے (متفرق) ٹکڑے (کرکے تہ بہ تہ) کر دیتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ بارش اس کے درمیان سے نکلتی ہے، پھر جب اس (بارش) کو اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے تو وہ فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔ [عرفان القرآن])۔ یہی وہ دریافت ہے جس کو جدید سائنس میں Evaporation، Impregnation اور Condensation کا نام دیا گیا۔ اس میدان میں اُتر کر اگر مجھ جیسا طالبِ علم بھی اس موضوع پر لکھنے کے لئے وقت فارغ کرے تو ہزاروں کی تعداد میں اوراق درکار ہوں گے۔ ان معمولی سے اوراق کا سینہ ہی کیا جو اس وسیع وعریض موضوع کو اپنے اندر جگہ دے سکے۔

ورق تمام ہوا مدعا باقی ہے
ایک سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کیلئے

☆☆☆☆

جام عرفان

من کلام شریف سید فقیر میرک شاہ صاحب کاشانی علیہ الرحمہ   بشکریہ فقیر فقیر محمد ڈلاور صاحب سجادہ نشین

اے دل باہوش با یار   بیدار والنّحنُ اقرب

خود گُفت من دَر کنار   سرکار والنّحنُ اقرب

گوڈِ لاگ سرمہٖ رہبر   نظراہ باخود باز کر

سیرِ وجُودَس بار بار   ہر تار والنّحنُ اقرب

ونحنُ و اقرب در خلیل علیہ السلام   چھے عاشقن کرِث رِژ دلیل

تس شش جہاتس اوس نار   گلزار والنّحنُ اقرب

یِمِ زون والنحن اقرب   تس حالِ منصورے عجب

مست چھِتھ تس کیا خُمار   بردار والنّحنُ اقرب

لیس نحنُ و اقرب حاصلےٖ   تس ناوٗ حضرتِ واصلےٖ

حس کرتس منز کیا وقار   سردار والنّحنُ اقرب

ونحنُ و اقرب رَٹھ دلس   پٹھ شاہ یُتھ چھُوئ دُلدُلس

اللہ حق ھُو چھُوئ سوار   رفتار والنّحنُ اقرب

ذکر فکر یادِ دوست   خاطِر اندر کوے اوست

حاظر ناظر سوئ بکار   غفار والنّحنُ اقرب

جامہٖ ہستی ژھن ژٹت   اے دل با رُوح بہہ کھٹت

الاعتقاد

جام عرفان

روحِ چھُو نوح از کِردگار | اسرار والنّحنُ اقرب
اے دل گرہِ گرہِ درپے | ناگاہ ٹوٹھی ما ژیہ دے
آگاہ دِی ملک الجبار | دلدار والنّحنُ اقرب
ہم خانہ اُستھ کر چھُ دور | دَم دُیو تس کُن باحضور
غم کتھ ڈیشخ غم گُسار | درغاروالــــنّحــــنُاقرب
عاشق بن ہفت خانسےٖ | معشوق چھو اندر پانسےٖ
خانس اندر خانہ دار | ہر کار والنّحنُ اقرب
اے دِل مثلِ کوہِ طور | پرارِنہِ روزکھ باحضور
گارُن ہارُن اشک بار | انوار والنّحنُ اقرب
خودی چھَ بدی راہِ دِل | مجنُون بَن در وصلِ گُل
کر جایہِ جاے سر نثار | در بار والنّحنُ اقرب
دم دیُت یہ دلاوارن | سیر کرنہ منز شہارَن
غیر ما بوزن گفتار | اذکار والنّحنُ اقرب
فقیر میرو چھے کریم | دَے نحنُ اقرب ﮯ قدیم
پے نیو ہر شے سُوئ نِگار | دیدار والنّحنُ اقرب

جام عرفان

جام عرفان

خطبۂ استقبالیہ

مولانا الحاج غلام احمد سہروردی (سیکریٹری جنرل انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر)

یہ خطبۂ (استقبالیہ) 26/جون 2016ء مطابق ۲۰/رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ "پندرہ صد سالہ نزولِ قرآن کانفرنس" (بمقام حنفی عربی کالج) پڑھا گیا۔ افادیت کے پیش نظر یہاں شائع کیا جارہاہے۔ .... (ادارہ)

نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم   حکمتِ اُولایزال است وقدیم

گرامی قدر صدرِ مجلس، علماءِ کرام، زعماءِ واراکینِ انجمن تبلیغ الاسلام ومعزز حاضرین......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ حضرات کومعلوم ہے کہ ریاست جموں کشمیر میں پہلی بار انجمن تبلیغ الاسلام نے چودہ سالہ نزول قرآن کی مقدس تقریب 30 نومبر 1967ء میں کشمیر کے مایہ ناز روحانیت کے درخشندہ ستارہ حضرت فقیر ملّت سید میرک شاہ صاحب کاشانیؒ کی زیرسرپرستی اور حضرت امیر شریعت مفسر قرآن علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاریؒ کی قیادت میں نہایت ہی عظیم الشان طریقہ پر منعقد کی گئی تھی، جس میں کشمیر کے نامور سرکردہ علماءِ دین، مشائخ کاملین، خطباء و ائمہ مساجد، دانشور حضرات کے علاوہ انجمن کے زعماء واراکین نے شمولیت کی۔

اس چودہ سو سالہ نزول قرآن کانفرنس کی عظمتِ قرآن مجید اور اس کی تعلیمات کو واضح کرکے ریاست کشمیر کے طول وعرض اور بیرونِ ریاست کے اکناف واطراف میں انجمن نے ایک غیر معمولہ توجہ کا اثر پیدا کیا۔ اور عوام وخواص نے اس کانفرنس کی بہت ہی سراہنا کی اور انجمن کو دادِ تحسین پیش کیا۔

آپ اس حقیقت سے پورے طور واقف ہیں کہ تقریباً ایک صدی سے انجمن تبلیغ الاسلام ریاست جموں وکشمیر میں دینی، اصلاحی اور تعلیمی وتدریسی خدمات انجام دینے میں سرگرمِ عمل ہے۔ بادِ مخالف کی سخت آندھیوں اور طوفانوں میں انجمن نے نہایت ہی صبر واستقامت اور ہمت سے اپنے فرائض بروئے کار لانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ کشیدہ اور سخت مشکل حالات کا جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ غیروں اور اپنوں کی منگھڑت بہتان تراشی سے انجمن کی حقانیت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑا بلکہ اس کی سچائی واضح ہوگئی: اِذَا اَتَتکَ مَــذَمَّتِیُ

اہلِ عرب اپنی فصاحت وبلاغت میں بے مثال تھے۔ جب وہ قرآن مجید کی آیات کو سُنتے تو بے ساختہ انکی زبان سے یہ جملہ نکلتا تھا: "مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرْ" (یہ انسانی کلام نہیں ہے)۔ قرآن مجید کے فصیحانہ اور بلیغانہ معنی خیز کلام اور پیغمبر آخرالزمان ﷺ کے معجزانہ اسوہ حسنہ نے نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں ولولہ انگیز انقلاب پیدا کیا۔ باطل کے ایوانوں میں حیرت انگیز زلزلہ آگیا۔ ساری دنیا خاص کر عرب کی سرزمین قرآنِ کریم اور حضور ﷺ کے ظاہری و باطنی فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئی۔ اور یہ بے پناہ فیضِ روحانی تا قیامِ قیامت جاری وساری رہے گا۔ قرآن مجید انسان کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے فطری دین (اسلام) پسند کیا، جو ایک مکمل ضابطہ حیات اور دستور ہے۔ جس میں اخلاق، عادات، تمدن اور عرفان وحکمت کے ازلی وابدی اصول ہیں، اور یہ انسانی ہدایت کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

الاعتقاد

مِنْ نَاقِصٍ فَهِيَ شَهَادَةُ لِيْ بِأَنِّيْ كَامِلٌ کی مصداق بن گئی۔

الحمدللہ یہ بات نہایت ہی فرحت ومسرت سے کم نہیں کہ تقریباً نصف صدی گذرنے کے بعد 2016ء جو پندرویں صدی ہجری ہے۔اس میں نزولِ قرآن کانفرنس کا انعقاد انجمن تبلیغ الاسلام کے صدر محترم جناب سید فرید الرحمٰن بخاری صاحب مدظلہ العالی کی قیادت میں انجمن کے دیرینہ مخلص، دینی حمیّت اور عشق ومحبت کے پیکر اراکین کی سعی جمیل سے ناقابلِ فراموش عقیدت واحترام کے ساتھ انجام پذیر ہو رہا ہے۔

اس صدی میں مسلمانانِ عالم اسلام دشمن طاقتوں کی مکروہ سازشوں اور عملی تباہی اور بربادی میں مبتلا ہیں۔ان مذموم کارروائیوں سے اسلامی تہذیب بُری طرح سے متاثر ہو رہی ہے۔ اقوامِ غالب کی بالادستی، استحصال، جغرافیائی تعصّبات اور نسلی امتیازات، خطرناک خونریزی کا موجب بن رہی ہے۔دہریت، لادینیت اور مغربیت کی تیز وتُند آندھیوں کا شکار مسلمان ہے۔ ان ناگفتہ بہ اور نامساعد حالات، زبردست مشکلات، قتل وغارت، بدامنی، تخریب کاری، فتنہ وفسادات اور قعرِ مذّلت سے بچنے کا واحد علاج قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہے۔

ہم نے قرآن مجید اور اُسوۂ حسنہ حضرت آنحضرت ﷺ سے مُنہ موڑا اور اس کو پسِ پست ڈالا جس کی بناء پر ہماری دنیاوی زندگی ہزاروں مشکلات اور پریشانیوں سے دو چار ہوئی۔اور اُخروی زندگی کا بھی ایک ہولناک منظر ہوگا۔

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا نے زمین پر آسمان سے ہم کو دے مارا

خدا اور اس کے برگزیدہ پیغمبروں علیہم السلام کی نافرمانی ہی پچھلی قوموں کے زوال اور انحطاط کا باعث بنی۔

خداوند تعالیٰ نے پیغمبر آخرالزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عرب کی مقدّس سرزمین مکۃ المکرّمہ میں مبعوث فرمایا۔اسی مقدّس سرزمین میں بیت اللہ بھی ہے۔اُس وقت سارا عرب بے حیائی، عیاشی، شراب نوشی، بدکاری، بے انصافی، لوٹ مار اور جنگ وجدل اور فتنہ وفساد میں غرق تھا اور مرکزی سرزمین اس کی آماجگاہ تھی۔

اہلِ عرب کی یہ بدترین حالت بدلنا بہت مشکل تھا۔سارا عرب وحشت ناک حالات میں مبتلا تھا حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعٰلمین، شفیع المذنبین اور رؤف ورحیم بنا کر لوگوں کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا۔اپنی آخری کتاب قرآن مجید کو آپ ﷺ پر نازل فرمایا۔ یہ ایک عظیم معجزہ ہے۔قرآن کریم کی مقدس آیاتِ بینات اور حضرت رسول کریم ﷺ کے اخلاقِ کریم اور عاداتِ حمیدہ نے کفر وشرک اور بدعات وتوہمات اور بدترین قبیح عادات کی کایا پلٹ دی۔اور ان سنگ دل وحشیوں کے دلوں کو مسخر کر دیا۔قرآن مجید فصاحت وبلاغت اور حلاوت ولطافت سے آراستہ اور مزّین ہے۔معنی ومطالب کے لحاظ سے اعلیٰ اخلاقی وروحانی تعلیم اور سب سے بہترین احکام اور فطری اصولوں پر مشتمل ہے۔

اہلِ عرب اپنی فصاحت وبلاغت میں بے مثال تھے۔جب وہ قرآن مجید کی آیات کو سُنتے تو بے ساختہ انکی زبان سے

الاعتقاد

یہ جملہ نکلتا تھا:"مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرُ" (یہ انسانی کلام نہیں ہے)۔قرآن مجید کے فصیحانہ اور بلیغانہ معنی خیز کلام اور پیغمبر آخرالزماں ﷺ کے معجزانہ اسوہ حسنہ نے نہ صرف عرب بلکہ ساری دنیا میں ولولہ انگیز انقلاب پیدا کیا۔ باطل کے ایوانوں میں حیرت انگیز زلزلہ آ گیا۔ ساری دنیا خاص کر عرب کی سرزمین قرآنِ کریم اور حضور ﷺ کے ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے مستفیض ہوئی۔اور یہ بے پناہ فیضِ روحانی تا قیامِ قیامت جاری وساری رہے گا۔قرآن مجید انسان کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے فطری دین (اسلام) پسند کیا، جو ایک مکمل ضابطہ حیات اور دستور ہے۔جس میں اخلاق، عادات، تمدن اور عرفان وحکمت کے ازلی وابدی اصول ہیں، اور یہ انسانی ہدایت کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔توحید اس کا مرکزی نقطہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دعوت الی اللہ کا بنیادی پتھر توحید پر رکھا ہے اور اس سے شرک و کفر کی تمام باطل عمارتیں مسمار ہو گئیں، اور معبودانِ باطل سرنگوں ہوکر صفحۂ ہستی سے مِٹ گئے۔توحید ورسالت کا نور شش جہاتِ عالم میں پھیل گیا اور ساری دنیا اس نورِ مقدس سے منوّر ہوگئی۔

اسلام نے بنی نوع انسان کو روحانی اور اخلاقی اقدار سے روشناس کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تمدنی، معاشی اور اقتصادی ترقی کے اصول اور قواعد وضوابط کے تحت رہنمائی فرمائی۔ نیز عالمگیر اخوّت بھائی چرہ، اسلامی یکجہتی اور اتفاق و اتحاد قائم رکھنے پر زور دیا۔ معدنیات، علم نباتات، زمین کا علم (ریسریچ)، حیوانات کا علم اور سائنسی ایجادات کی طرف بھی انسانی توجہ مبذول فرمائی۔

قرآن مجید انسانی حقوق کا منشور تمام دنیا کے انسانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔غرض قرآنی علوم ایک وسیع سمندر ہے۔گھاس کے تنکے سے لے کر ستاروں اور سیاروں کی کھوج اور تحقیقات پر اِس مقدس کتاب میں رہبری پر روشنی ڈالی گئی ہے۔انسان کو دین اسلام اور زندگی کے ہر پہلو میں اپنانے کی راہیں واضح کی گئی ہیں۔اور قدرتی کرشموں سے مستفید ہونے کی مکمل رہنمائی کی گئی ہے۔

اسلام دنیاوی ترقی سے مانع نہیں ہے۔ البتہ اس کا انحصار خوفِ خدا، پرہیزگاری، نیک اعمال اور پاکیزہ کردار پر قرار دیا ہے۔

اسلام نے ملّی اتحاد کی خاطر ذات پات، نسلی امتیازات کے رنگ و روپ، قومیت اور وطنیت کے زہریلے جراثیم کے اثرات سے مسلمانوں کو نجات دی۔

قرآن مجید نے جو لائحہ عمل پیش کیا ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس دستور کو عملی جامہ پہنائیں۔ اسی سے دنیا و آخرت کی سرخروئی حاصل ہوگی۔

گر تو مے خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

آخر پر میں آپ سب حضرات کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

☆☆☆

عظمتِ قرآن

علامہ ومولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری علیہ الرحمہ

حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے معجزات اور الہامی کتابوں سے واقفیت رکھنے والے اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں علیہم السلام کو لوگوں کی ہدایت واصلاح کے لئے مبعوث فرمایا، تو ان کو ایسے معجزات وکمالات سے سرفراز فرمایا کہ جن کا غیرِ پیغمبروں سے صادر اور سرزد ہونا محال اور ناممکن ہوتا ہے اور حقیقت میں پیغمبروں علیہم السلام کے معجزات اور ان سے صادر ہونے والے خارق عادت امور ہی ان کی نبوت ورسالت پر برہانِ قاطع اور روشن دلیل ہوتے ہیں۔

ہر ایک پیغمبر علیہ السلام نے اپنے اپنے زمانہ کے تقاضا کے مطابق معجزات اور خارقِ عادات امور کے اظہار میں اس بات کی رعایت ہوتی ہے کہ ان کے اہلِ زمانہ اور ہم عصروں کو جن چیزوں میں کمال اور نمایاں امتیاز ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیغمبروں علیہم السلام کو بغیر اُن کے کسب وتمرین کے اُسی قسم کی متشاکل اور متشابہ چیزیں عطا کر لیتا ہے تاکہ باشعور لوگ ان کے معجزات دیکھ کر اس بات کا صحیح اور ٹھیک اندازہ لگا سکیں گے کہ پیغمبروں علیہم السلام کی طرف سے ظاہر ہونے والے معجزات اور خوارقِ عادت امور ان کے فن اور ذہنی ودماغی قابلیت کے پیداوار اور نتیجہ کے طور پر نہیں ہیں بلکہ ان سے اس قسم کے معجزات اور خارق عادت امور کا صادر ہونا صرف اس بناء پر ہے کہ وہ خدائی قوت اور غیبی طاقت کے مؤید اور مشرف ہیں۔

پیغمبروں علیہم السلام کے انہی معجزات اور قوائے قُدسیہ کی بناء پر اُن کے زمانہ کے منصف مزاج اور عقلمند ان کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور از روئے شرع اُن پر ایمان لانے کے لیے مامور بن جاتے ہیں۔ ہاں یہ بات ضروری ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات اور مافوق العادت چیزوں کے اظہار میں اوقات و ازمان اور اشخاص واذہان کی پوری رعایت رکھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام پیغمبروں علیہم السلام نے ایک ہی قسم کے معجزات دکھانے پر اکتفاء نہیں کیا۔ اس مقصد کی وضاحت کے لیے ہم اس جگہ تین عظیم پیغمبروں علیہم السلام کے تین معجزوں کا ذکر مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں:

مثال نمبر ۱: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کو ساحری اور جادُوگری کے فن میں اس قدر کمال اور اتفاق تھا کہ اُن کو اس بات کا یقین تھا کہ اس فن میں ان کا کوئی ہمسر اور مدِّ مقابل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، تو ان کو دلیل اور معجزہ کے طور پر ''**عصا**'' اور ''**ید بیضا**'' جیسی چیزیں مرحمت کیں جنہیں دیکھتے ہی اس وقت کے ماہر ساحروں اور فن کار جادُوگروں نے یقین حاصل کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نہ ساحر ہیں اور نہ جادوگر اور نہ اس فن کے ساتھ اُن کا کوئی لگاؤ اور تعلق ہے اور وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن کے سحر کے مقابلے میں جو کچھ پیش کیا وہ اُن کا پیغمبرانہ معجزہ اور ماوراء الطبیعت روحانی طاقت اور ربّانی عنایت ہے اسی بناء پر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھتے ہی اس قدر متاثر ہوئے کہ فرعون کے عتاب وعذاب کے قوی خطرہ کے باوجود علیٰ رغمہٖ صاحبِ عصاں پر ایمان لے آئے وہ بھی مخفی طور اور چھُپ چھُپا

الاعتقاد

کر نہیں بلکہ وہ اپنے ایمان اور اظہارِ حق کا اعلان ایک عظیم الشان اجتماع میں اس طرح کرتے ہیں:

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o رَبِّ مُوْسٰی وَ ھٰرُوْنَ o (الاعراف:۱۲۱-۱۲۲) ''ربُّ العالمین پر ایمان لے آئے ہیں، جو مُوسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا بھی رب ہے۔''

حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کا معجزہ وقتی طور پر تھا۔

آپ یہاں پر اس بات کا خیال رکھیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ کے نبی نہیں تھے بلکہ اُن کی پیغمبری اُن کی زندگی تک ہی محدود تھی۔ اس لئے اُن کے معجزات بھی اُن کے حیاتِ ظاہری تک باقی رہے ہیں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دُنیا سے رخصت ہوئے تو اُن کے معجزات بھی اُن کے ساتھ رخصت ہوئے۔ بہرحال اس میں شک نہیں کہ اس وقت کے باکمال لوگ اپنے کمال علم ہی سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے قائل اور معترف ہوئے ہیں۔

مثال نمبر ۲: حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ طب اور جسمانی امراض کا علاج پورے کمال وارتقاء پر تھا۔ اس زمانہ میں بڑے بڑے ماہرینِ علمِ طب یکتائے روزگار اور یگانہ وقت موجود تھے۔ افلاطون جیسا طبیب وفیلسوف اُن کا سرخرو سردار تھا۔ جب اس زمانہ میں حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی رسالت ونبوت سے سرفراز فرمایا تو اُن کو بھی اُس وقت کے تقاضا کے مطابق ایسے معجزات و خارقِ عادت امور عطا کئے جنہیں دیکھ کر اس وقت کے باکمال طبیب اور ماہرین ودانش اتنے حیران و پریشان ہوئے کہ انہوں نے حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔ ماشاءَ اللہ! حضرت عیسیٰ علیہ السلام مادی ذرائع سے کام لیے بغیر مادرزاد اندھوں، کوڑھ کے بیماروں کو ٹھیک کرتے تھے اور ضرورت کے وقت باذن اللہ مُردوں کو زندہ فرماتے تھے۔ بھلا ظاہری حکیم وڈاکٹر کتنا ہی کامل و ماہر کیوں نہ ہو، تو وہ کیونکر اسبابِ ظاہری سے بے نیاز اور مستغنی ہوسکتا ہے۔ اس لئے جوں ہی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات سے روشناس ہوئے تو وہ سمجھ گئے کہ اُن سے اس قسم کی چیزوں کا صدور وظہور محض اس لئے ہے کہ وہ ربّانی تائید سے مؤید اور الٰہی طاقت سے بہرہ اندوز ہیں۔ اسی چیز نے اس زمانہ کے اہلِ علم اور ان کے تبعیت میں دوسرے لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدت مند بنایا اور آپ علیہ السلام پر ایمان لانے کے لئے طبعاً مجبور ہوئے۔ ''**من طبیب الا بدان الیٰ طبیب النفوس**''۔

غرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت ہمیشہ کے لئے نہیں تھی۔ اُن کے معجزات بھی اُن کے ساتھ ختم ہوئے۔

مثال نمبر ۳: حضرت پیغمبر آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانۂ مقدّس میں اہلِ عرب فصاحت و بلاغت، قوۃ کلامی، طاقتِ زبانی، حسنِ ادا اور شیریں بیانی میں یگانہ اور بے مثال تھے۔ اور انہوں نے سخن فہمی اور سخن گوئی کے فن میں اقوامِ عالم پر گوئے سبقت حاصل کر لیا تھا اور اُن کا دعویٰ تھا کہ فصاحت و بلاغت میں اُن کا کوئی شریک اور سہیم نہیں ہوسکتا، اس لئے وہ اپنے کو عرب اپنا فی الضمیر اچھی طرح بیان کرنے والے اور اپنے ماسوا کو عجم گونگے غیر قادر الکلام کہتے تھے۔ وہ فنِ بیان اور اسلوبِ کلام دکھانے کے لئے سالانہ اجتماعوں میں نظم ونثر کا بہترین انموزج اور نمونہ پر پیش کرتے

تھے اور انہوں نے چیلنج کے طور پر کعبۃ اللہ کے مقدّس دروازہ پر 'سبع المعلقات' سات قصیدے لٹکا رکھے تھے اور اُن کو اس بات کا وثوق و اعتماد تھا کہ یہ قصائد فصاحت و بلاغت، حُسن بیان اور طرزِ ادا کے پورے معیار پر ہیں کہ اس کسی فصیح و بلیغ اور تجربہ کار سخن دان سے ممکن نہیں کہ وہ ان سات قصیدوں کا کامیاب جواب دے سکے۔

ٹھیک ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے جب نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمانے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کو اسی عرب کی مرکزی سرزمین مکّہ معظّمہ میں پیدا فرمایا، جس کی بہت سی وجوہ ہوسکتی ہیں۔ منجملہ آں ایک وجہ یہ ہے کہ مکہ معظّمہ میں بیت اللہ ہے۔ تمام اہلِ عرب کو عموماً اور بہت سے اہلِ کتاب کو خصوصاً اس کی طرف سرِ تسلیم خم تھا۔ اور اس کے علاوہ عرب کے آس پاس ملکوں کے لوگ وقتاً فوقتاً مکہ معظّمہ آتے رہتے تھے۔ اور مزید یہ بات بھی ہے کہ عرب کے متصل دو عظیم الشان متمدن سلطنتیں رومیوں اور فارسیوں کی تھیں۔ دانایانِ عرب دونوں ملکوں کے علم و تہذیب سے پورے باخبر اور واقف تھے۔ اس لیے مشیّت ایزدی نے آپ ﷺ کو عرب سے اور عرب میں سے بنو ہاشم جیسے معزز اور باوقار خاندان میں پیدا فرمایا تاکہ دفعتاً اور تھوڑے سے زمانہ میں آپ ﷺ کی سچی آواز سارے عرب اور وہاں سے روم و فارس میں اور پھر ان دو ملکوں نکل کر چہار دانگ عالم میں گونج جائے اور ساری دُنیا نبوت محمدی ﷺ سے آشنا ہو جائے۔

اہلِ عرب کے سخت دِل جنگ و جدال اور مادّی قوت و طاقت سے نرم نہیں ہوئے، بلکہ ان کے ناقابلِ تسخیر دِلوں کو صرف قرآن مجید کی مقدّس آیتوں نے مسخر بنایا۔ جب آپ ﷺ نے مکہ میں اپنی نبوت و رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا اعلان فرمایا، تو آپ ﷺ نے بے شمار معجزات دکھائے اور آپ ﷺ کا سب بڑا معجزہ ''قرآن'' ہے، جو رہتی دنیا تک قائم رہے گا اور یہی قرآن حکیم آپ ﷺ کی رسالت پر دلیل ناطق اور روشن ثبوت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب آنحضور ﷺ نے اپنی پیغمبری کا اعلان فرمایا تو اس زمانہ کے لوگوں نے مطابق دستور آپ ﷺ سے معجزات مانگے تو آپ ﷺ نے بے شمار معجزات دکھائے، ان میں اعلیٰ مقام اور اونچا درجہ قرآنِ کریم کا ہے، لہٰذا یہاں پر اسی سے بحث ہے۔ کہ جب لوگوں نے آپ ﷺ سے معجزات طلب کئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص پیغام (وحی) آتا ہے، جو عبارت کے اعتبار سے ایسا لطیف کلام ہے جو فصاحت و بلاغت، حلاوت و لطافت سے آراستہ اور مزّین اور معنی و مطلب کے لحاظ سے اعلیٰ قسم کی اخلاقی و روحانی تعلیم اور بہترین احکام اور فطری اصول پر مشتمل ہے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ وقتاً فوقتاً قرآنِ مجید کی آیاتِ مطہرات لوگوں کو سُناتے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف جو وحی نازل ہوئی ہے، وہ سورۂ اقراء کی ابتدائی آیتیں ہیں، **جو بقولِ ایک انگریز مستشرق کے پندرہ علوم پر مشتمل ہیں۔**

غرض جب بیدار مغز اہلِ عرب نے پورے صبر و سکون اور ٹھنڈے دل و دماغ سے قرآنی آیات پر غور کرنا شروع کیا تو قرآنی آیات کی حلاوت و شیرینی اور ان کی لفظی و معنوی خوبیوں سے اتنے سخت متاثر ہوئے کہ اُن کو بے ساختہ کہنا پڑا:

"مَا هٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ" (یہ اِنسانی کلام نہیں ہے)۔

اس کلام پاک کا اثر فصحائے قحطان اور بلغاء عدنان پر اتنا شدید ہوا ہے کہ ان کی زبانیں قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اور اس کی بدیع النظم، عجب الترتیب اور لطیف الربط آیات کے سامنے گونگی ہو گئیں اور ان کے قلموں کی طاقت و روانی ختم اور بے کار ہو گئی۔ اور ان کو ماننا پڑا کہ یہ رب العالمین کا کلام ہے۔

اس لئے وہ پورے شوق و ذوق سے سعادتِ ابدی حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے اور سید المرسلین حضرتِ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائے۔ اس جماعت کے پیش رَو جناب صدیقِ اکبر، علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وغیرہم ہیں۔

عرب میں بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے ضد وعداوت، خاندانی غرور و رقابت اور ظاہری جاہ و حشمت کی بناء پر قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا کلام اور وحی ربّانی ماننے اور تسلیم کرنے سے انکار کیا اور قرآنِ شریف کی طرف مختلف چیزوں کی غلط اور غیر واقع نسبت کی، کبھی کہا یہ سحر اور جادُو ہے اور کبھی کہا یہ شاعرانہ کلام ہے، اور کبھی کہا یہ کلام حضرتِ محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی گھڑتے ہیں۔ اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ۔

اِسی طرح ان لوگوں نے قرآنِ پاک کی طرف اور بھی بہت سی ایسی غلط باتوں کی نسبت کی جن سے وہ پاک اور منزّہ ہے۔

اس لئے! اللہ تعالیٰ نے پوری حکمت و رافت سے اتمام حجت کے طور پر اُن پر اُن لوگوں کو بار بار قرآنِ مجید کی طرف دعوتِ فکر و نظر دی۔ لیکن جب انکار کرنے والے اپنے تمرد و اِنکار سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک کے ذریعہ ان لوگوں کو چیلنج کیا اور بتایا کہ اے مُنکرِ قرآن! عرب اور بہترین قسم کے زبان دان ہو، اور تم کو اپنی سخن دانی اور سخن رانی کا دعویٰ ہے اور تمہارا ادعا ہے کہ فصاحت و بلاغت کا فن ہم پر ختم ہو رہا ہے۔ پس اگر تمہارے خیال میں قرآن پاک خُدا کا کلام نہیں ہے بلکہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود بناتے ہیں۔ تو آؤ! تم قرآن جیسا کلام بناؤ اور خدا کے سوا جن معبودانِ باطل کو تم مانتے ہو تو ان سے بھی قرآن کا مانند کلام بنانے کے لئے پوری پوری امداد حاصل کرو، اور ایسا کرنا تمہارے دعویٰ کے مطابق کوئی مشکل اَمر نہیں ہے کیونکہ تم حضرتِ محمد عربی ﷺ کو خوب جانتے ہو اور ان کی فصاحت و بلاغت اور طریق ادا سے پورے طور پر واقف ہو کیونکہ انہوں نے عمرِ مبارک کا بیشتر حصّہ تمہارے سامنے گذارا ہے۔ ان حالات میں تمہارے لئے قرآن کا مثل و مشابہ کلام بنانا نہایت آسان ہے اس لئے اگر تم کوشش اور محنت کر کے قرآن جیسا کلام پیش کرو گے، تو تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو، ورنہ خدا کے قہر و عذاب سے ڈرو۔

خداوند کریم نے اس قسم کا چیلنج منکرین قرآن کو قرآن مجید میں پانچ جگہ کیا ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل سطروں میں پورے غور و خوض سے ملاحظہ کیجیے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۝ (بنی اسرائیل:۸۸)

"اے پیغمبر ﷺ! اس بات کا اعلان کر دے کہ اگر تمام اِنسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کے مانند کوئی کلام

الاعتقاد

پیش کردیں، تو کبھی پیش نہیں کرسکیں گے۔ اگرچہ اُن میں سے ہرایک، ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو۔''

اس آیت کے نزول ہونے کے بعد منکرین قرآن و نبوت کو قرآن جیسا کلام بنانے کے لئے کافی وقت کی مہلت دی گئی لیکن وہ ہزاروں کوششوں کے باوجود قرآن پاک کے اس صاف اور واضح چیلنج کے جواب دینے میں پورے ناکام ونامراد ہوئے۔ پھر بہت عرصہ کے بعد منکرین پر اُن کی کمزوری ظاہر کرنے کے لئے اس قسم کا چیلنج سورۂ طور میں دہرایا جاتا ہے:

اَمۡ يَقُولُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلۡ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ۚ فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا صٰدِقِيۡنَ ؕ (طور:۲۷)

''کیا وہ لوگ (مخالفین) کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے قرآن کو خود گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ لوگ تصدیق ہیں کرتے تو یہ لوگ قرآن جیسا کوئی کلام پیش کریں، اگر یہ سچے ہیں۔''

اس آیتِ مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد منکرین کو قرآن جیسا کلام پیش کرنے کے لئے کافی موقع دیا گیا، مگر وہ باوجود اپنی پوری کوشش کے قرآنِ مجید جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز اور بے بس ہوگئے۔ اس کے مہربان خدا کی طرف سے منکرین قرآن اور مخالفین نبوت پر بہت زیادہ نرمی اور آسانی کی گئی ہے وہ یہ کہ اب اُن کو سارے قرآن کا مُعاوضہ کرنے کے لئے نہیں کہا جاتا بلکہ ان کے سامنے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ وہ قرآن کی مانند صرف دس سورتیں بنائیں، اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ ‌ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ فَاِلَّمۡ يَسۡتَجِيۡبُوۡا لَـكُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰهِ وَاَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ‌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ (ہود:۱۳)

''پھر کیا لوگ ایسا کہتے ہیں کہ اس آدمی نے قرآنِ پاک اپنے جی سے گڑھ لیا ہے؟ اے پیغمبر ﷺ! تو کہہ دے اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو اس طرح کے دس سورتیں گڑھی ہوئی بنا کر پیش کردو اور اللہ کے سوا جس کسی کو اپنی مدد کے لئے پکار سکتے ہو، پکار لو، پھر اگر تمہارے ٹھہرائے ہوئے معبود تمہارے پکار کا جواب نہ دیں اور تم اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو تو سمجھ لو کہ قرآن اللہ ہی کے علم اُترا ہے اور یہ بات بھی سچ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اب بتاؤ! کیا تم یہ بات تسلیم کرتے ہو؟''

آیتِ متذکرہ کے نازل ہونے کے بعد پھر فصحائے عرب نے اس بات کی ہزاروں انفرادی اور اجتماعی کوشش کیں کہ کس طرح قرآنِ مجید جیسی دس سورتیں اُن سے بن جائیں۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ وہ اپنی تمام کوششوں میں ناکام رہے اور قرآن کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ان کی زبانیں بالکل گونگی ہوگئیں۔ حالانکہ صاحبِ قرآن ﷺ نے آیتِ مذکورہ نازل ہونے کے بعد کافی مہلت دی تھی۔

جب منکرینِ قرآن اُس جیسی دس سورتیں بنانے سے عاجز اور بے بس ہوئے تو پھر حضرت اللہ جل شانہٗ اِتمام حجت اور رحمت و شفقت کی بناء پر ان کو مزید سہولت، عنایت و مہربانی فرماتا ہے کہ اب تک قرآن جیسی دس سورتیں بنانے میں تم پورے ناکام ہوگئے ہو، چلو اب تم قرآن کی مانند صرف ایک ہی سورت اپنی طرف سے بنا کر پیش کرو، اگر تم اپنے دعویٰ میں

الاعتقاد

سچے ہو۔ملاحظہ فرمائیں:

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَo (یونس:

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص (ﷺ) نے اللہ کے نام یہ افترا کیا ہے؟ تم کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو اور ایک آدمی اپنے جی سے گڑھ کر ایسا کلام بنالے سکتا ہے تو قرآن کی مانند ایک سورۃ بنا کر پیش کردو اور خدا کے سوا جن ہستیوں کو اپنے مدد کے لئے بلا سکتے ہو، تمہیں پوری طرح اجازت ہے، بُلا لو!''

آپ غور کیجیے کہ قرآن کے منکرین ہزاروں اور لاکھوں عرب، بیرونِ عرب، عربی زبان کے بڑے بڑے ماہر اور فاضل تھے اور اب بھی ہیں جو سب کے سب عربی زبان کے اسرار ورموز اور نکات ومحاسن سے خوب واقف اور قرآن مجید کے معارضہ کرنے پر پورے حریص اور آرزومند تھے اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عظمت اور شان ختم کرنے پر آمادہ اور تُلے ہوئے تھے، مگر قرآن کی عظمت واعجاز کے کیا کہنے کہ ان سے ہزاروں کوششوں کے باوجود قرآن کی مانند ومُشابہ ایک سورت بھی نہیں بنی۔اور اس کے تحدی اور چیلنج کی اہمیت روز بروز منظر عام پر ظاہر ہوتی جاتی ہے۔ اس لئے پھر اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ قرآن کی ناکامی دیکھ کر دُنیا کے ہوشمندوں اور حقیقت پسندوں کو صورتِ حال اور کیفیت نفس الامری سے باخبر رکھنے اور منکرین کی نارواضد وتعصب ظاہر کرنے کے لئے ان پر بہت سخت زجر وتوبیخ اور وعید فرما کر آیت متذکرہ کی تاکید سورۂ بقرہ میں فرماتا ہے تاکہ دُنیا کے بیدار مغز انسانوں پر یہ بات واضح رہے کہ جو چیلنج ابتدائے نزولِ وحی میں مخالفین کو کیا گیا تھا، وہ آخر دم تک قائم اور اپنی جگہ پر ثابت ہے۔ملاحظہ ہو:

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ o فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَ قُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَo (البقرہ:

''اور اگر تم خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے بندۂ خاص ﷺ پر، لو اچھا! پھر تم بنالاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلّہ ہو اور بُلا لو اپنے حمایتوں کو، جو خدا سے الگ ہیں اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر تم یہ کام نہ کرسکے اور قیامت تک نہ کرسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، وہ کافروں کے واسطے تیار کی گئی ہے۔''

بحمدللہ! ابتدائے نزول قرآن سے اب تک چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہوگئے ہیں اور ہزاروں منکرین ومخالفین نے اپنے اپنے زمانہ میں قرآن جیسا کلام بنانے کے لئے انتھک کوششیں کیں، مگر تاریخ شاہد ہے کہ اس وقت تک اس کا معارضہ کسی نے نہیں کیا اور اس کا چیلنج جوں کا توں برقرار اور ثابت ہے اور قیامت کے دن تک برقرار رہے گا۔ اندازہ تو کیجیے کہ اس کی عظمت کتنی بلند اور اس کی شان کتنی نرالی ہے کہ سمجھدار جنات نے اس عظمت وشان کا اندازہ لگا کر کیا خوب کہا تھا:

اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا o يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ط وَ لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًاo(جن: ☆☆☆

قرآن کریم اور موجودہ سائنسی ایجادات

مولوی منظور احمد ڈار (نائب صدر انجمن تبلیغ الاسلام ضلع کولگام)

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ○

آیت کریمہ کا ترجمہ وتفسیر کرنے سے پہلے اس بات کی جانب دھیان دینا ضروری بنتا ہے کہ اس موضوع کا مقصد قرآن حکیم اور جدید سائنسی ایجادات کے مابین جو ہم آہنگی پائی جاتی ہے، اسے نمایاں اور واضح کرنا ہے۔

لفظ ایجاد ایک وسیع المعنیٰ بحث ہے۔ ایجاد سے صرف دورِ جدید کے کچھ نقل وحمل کے مشینی اوزار مراد لینا اس لفظ سے سراسر ناانصافی ہے، بلکہ ایجاد سے مراد 'اختراع'؛ کسی بھی شی سے کوئی نئی تحقیقی بات پیدا کرنی مطلب ہے۔ جس کو contraption, some thing devised, invention سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ایک طریق سے پیچیدہ قسم کا موضوع ہے۔ یہ ایک بار پڑھنے یا سننے سے ذہن میں اُترنے والا نہیں ہے بلکہ یہ موضوع قاری کا وقت ڈھونڈتا ہے۔ اگر اس موضوع کو سمیٹتے وقت ذرہ بھر بے احتیاطی سے کام لیا گیا تو پیاس بجھانے کے بجائے شبہات ہی اپنا سر کھڑا کریں گے۔ اسی وجہ سے جو کچھ میں اس موضوع کے حوالہ سے زیب قرطاس کیا، صرف اُن علماءِ کرام کے تفاسیر اور مقبول عام اسکالرز کے اقوال سے اِستفادہ کیا جو بیک وقت علم دینی و دنیاوی پر مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اس موضوع پر قلم اُٹھاتے وقت اُن علماءِ متاخرین کا سہارا لیا گیا جو سائینسی علوم سے بھی بھر پور واقفیت رکھتے تھے۔ موضوع بھی اسی نہج کا متقاضی ہے۔ بقول مفکر اسلام قلندر لاہوری ؎

یہ علم وحکمت کی مہرہ بازی یہ بحث وتکرار کی نمائش
نہیں ہے دُنیا کو اب گوارا پرانے افکار کی نمائش

حکیم الامت علامہ اقبالؒ کو یقینِ کامل تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سائنس اور قرآن پاک کے مابین ایسی ایسی ہم آہنگیوں کا انکشاف ہوتا جائے گا جس سے اسلام کے پشت پر تمام تر حقائق جمع ہوجائیں گے۔ متقدمین اسلاف کرام ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ مگر اس دور میں سائنسی علوم پر نظر نہ ہونے کے سبب وہ حضرات اس کے متعلق زیادہ نہ لکھ سکے۔ جب کہ قرآن پاک خاتم الکتب بھی اور خزینۃ الکتب بھی ہے۔ قرآن حکیم ابدی اور عالمگیر ضابطہ حیات اور سرچشمہ علوم و فنون ہے۔ علم کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جن کے بنیادی تصور کی طرف قرآن حکیم میں اشارات موجود نہ ہوں۔ کتاب ہدایت ہونے کی حیثیت سے قرآنی اشارات پوری کائنات پر محیط ہیں۔ قرآن حکیم سائنس اور فلسفہ کی کتاب نہیں ہے۔ مگر اس کتاب عظیم سے اس بحث کے بارے میں جس طرح حقائق سامنے آجاتے ہیں عصرِ حاضر کے نامور سائنس دانوں کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں، جن کا احاطہ کرنا ان اوراق میں ممکن نہیں ہے۔ بس مشتِ ازخروارے۔

سائنس کے نظریات (Theories) کائناتی بصیرت کا حرفِ آخر نہیں ہے۔ مگر قرآن مجید یقیناً کلام الٰہی ہے۔ جو ہر دور کے لئے نازل ہوا۔ خواہ زمانہ ترقی کرتا ہوا اوجِ ثریا پر ہی پہنچ جائے۔ قرآن کریم میں پہلے سے ہی ایسی ترقی اور ایجادات کے بارے میں حقائق اشارۃً ضرور موجود ہوں گے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق قرآن حکیم میں ان الفاظ کی تعداد غالباً چھ سو ہیں جن سے زمانہ حاضر کے سائنسی ایجادات کی شعائیں پھوٹ رہی ہیں۔ شروع میں پیش کی گئی آیۃ

الاعتقاد

مبارکہ جس میں فرمایا گیا ہے ''ہم نے ہر چیز میں جوڑا جوڑا بنایا تاکہ تم نصیحت حاصل کرو''۔ اگر اس چھوٹی سی آیۃ مبارکہ پر غور و فکر کیا جائے۔ اہلِ دانش کے سامنے یہ آیت مبارکہ ساری سائنس کی بنیاد نظر آتی ہے۔ علم نبادات کے ماہر (Scientists of Botany) بڑے طمطراق سے یہ لفظ دہراتے ہیں کہ ہم نے پھولوں کے اندر نر اور مادہ دریافت کیا۔ قرآن حکیم کی صداقت یہاں پر بھی نمایاں ہوتی ہے۔ جب کل کا لفظ استعمال کر کے مادہ (Matter) میں بھی جوڑا ہونے کی نشاندہی کی گئی۔ ایٹم (Atom) مادہ کا سب سے باریک غیر منقسم ذرہ مانا جاتا ہے۔ تحقیق سے اس بات کا سراغ لگایا کہ ایٹم کے اندر الیکٹران اور پروٹان کا جوڑا ہے۔ کمپوٹر جس نے سائنسی دُنیا میں ایک رونما انقلاب برپا کر دیا۔ کمپوٹر نے زمین کے فاصلوں کو سمیٹ کر رکھ دیا۔ سالوں میں ہونے والی تبدیلیاں گھنٹوں میں آ رہی ہیں۔ کمپوٹر کی بنیاد بھی اسی ''زوجین'' یعنی جوڑے کے اصول پر مبنی ہے۔ ایک زیرو (0) ایک وَن (1) کمپوٹر کی مشین جس کو لینگوئج کے نام سے جانا جاتا ہے زیرو اور وَن کے جوڑے سے مل کر بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پاک فرمان ہے: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا .... [البقرہ: ۳۱] (اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے .... [عرفان القرآن])۔ سید المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد دُنیا کی چیزیں اور اُن کی صفات ہیں۔ علامہ زمخشریؒ تفسیر کشاف میں رقمطراز ہیں کہ علم الاسماء سے مراد چیزیں ان کی افادیت اشیاء سے حاصل ہونے والے فوائد۔ امام رازیؒ تفسیر کبیر کی پہلی جلد میں فرماتے ہیں کہ اسماء سے مراد اشیاء۔ اگر ہم بنظرِ غائر مطالعہ کریں گے تو ہم دیکھیں گے کہ علم الاشیاء Knowledge of Matter کا نام ہی سائنس ہے۔ جس کا دروازہ چودہ سو سال پہلے قرآن کریم نے کھولا تھا۔ سائنس کے کچھ شعبہ ہائے جات ہیں؛ قرآن حکیم نے ان تمام شعبوں کی جانب اصولی رہنمائی کر کے ایجادات اور انکشافات کے میدان میں انسان کو کھڑا کیا۔ سائنس کے خاص حصے (Main Branches) فزکس، کیمسٹری اور بیالوجی ہیں؛ پھر ان سے جڑے ہوئے بہت سارے حصے معرضِ وجود میں آئے۔ تمام چیزیں عناصر اور اجزاء سے مرکب ہیں اُن کی خاصیت اور تاثیرات جاننے کا نام کیمسٹری ہے (جس کا تذکرہ علم الاشیاء میں آ گیا)۔ اس کائنات کے اندر جو قوتیں کارفرما ہیں اُن کا منظّم مطالعہ کرنے کا نام فزکس ہے۔ اللہ تعالیٰ اس علم کی جانب بذریعہ قرآن انسان کو خود دعوت دے رہا ہے: قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ط........[یونس: ۱۰۱] (فرما دیجیے: تم لوگ دیکھو تو (سہی) آسمانوں اور زمین (کی وسیع کائنات) میں قدرتِ الٰہیہ کی کیا کیا نشانیاں ہیں .... [عرفان القرآن]۔ علم فزکس کے تاجدارِ علم نے بڑی جانفشانی اور اختلافِ رائے کے ساتھ اس معمہ کو حل کیا کہ اجرامِ فلکی محوِ گردش ہیں۔ جن عظیم دانشور اور علم فزیکس کے سرخیل سائنسدانوں نے اس مسئلہ کو حل کرنے میں اپنی پوری زندگی صرف کی اُن میں فیثا غورث، بطلیموس، زرقالی، کوپرنکس، ٹیکو براہی، گیلیلیو، نیوٹن اور آئن سٹائن جیسے مشہورِ زمانہ سائنسدان شامل ہیں۔ مگر جس آخری نظریہ پر یہ دانشور

الاعتقاد

صدیوں کی محنتِ شاقہ کے بعد پہنچے قرآن نے چودہ سو سال پہلے اس کی نشاندہی کی: ﴿وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ o [یٰسٓ: ۴۰] ﴾ (اور سب (ستارے اور سیارے) اپنے (اپنے) مدار میں حرکت پذیر ہیں۔[عرفان القرآن]۔نیل آرم سٹرانگ کی سربراہی میں تین غیر مسلم سائنسدانوں کے ہاتھوں جن میں ایڈون بُز، اور کولنس شامل ہیں؛ جولائی 1969ء میں امریکہ کے خلائی تحقیقاتی ادارے National Aeronautic Space Agency (NASA) کے تحت چاند پر پہنچنے کا عظیم تاریخی کارنامہ انجام پذیر ہوا۔علم فزیکس کے سائنسدانوں نے یہ حیرت انگیز کارنامہ آج سے صرف 47 سال پہلے انجام دیا۔قرآن حکیم نے اُس وقت عقل کو حیران کر دینے والے اِس واقعہ کی طرف اشارہ کیا جب لوگ خانہ بدوشی کی زندگی گذار رہے تھے۔فرمایا: وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ o لَتَرۡکَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ o فَمَا لَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ o [الانشقاق: ۱۸ تا ۲۰] (ترجمہ: اور چاند کی جب وہ پورا دکھائی دیتا ہے۔تم یقیناً طبق در طبق ضرور سواری کرتے ہوئے جاؤ گے۔تو انہیں کیا ہو گیا ہے کہ (قرآنی پیشین گوئی کی صداقت دیکھ کر بھی) ایمان نہیں لاتے۔[عرفان القرآن]۔ عقل کو جھنجھوڑ کر رکھ دینے والی یہ بات کہ لَتَرۡکَبُنَّ کا صیغہ جمع ہے۔عربی زبان میں صیغہ جمع کم از کم تین کے لئے استعمال ہوتا ہے۔جب کہ چاند پر جانے والے بھی صرف تین تھے۔ پھر اسی واقعہ میں ایک اور بات جہاں پر عقل ہتھیار ڈال دیتی ہے کہ چاند پر پہنچ کر بھی یہ لوگ اس عظیم خدا پر ایمان نہیں لائیں گے جس نے یہ تمام وسائل پیدا کئے۔(تاریخ گواہ ہے کہ یہ تینوں غیر مسلم تھے)۔ممکن ہے جس دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی فروغ پذیر نہ ہوئی تھی اس وقت صرف مجازی معنوں کی بنیاد پر ہی آیت کا مفہوم پیش کیا جا رہا ہے۔آج سائنسی ترقی کے دور میں اس آیت کا مفہوم اپنے حقیقی معنی میں بیان کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔صدیوں کی تحقیق کے بعد بیسویں صدی وسط میں جدید علمِ تخلیقیات (Cosmology)، علمِ فلکیات (Astronomy) اور علمِ طبعیات (Astrophysics) کے ماہرین نے کائنات کے راز سے پردہ اُٹھا کر Big Bang Theory کا نظریہ جوش وخروش کے ساتھ منظرِ عام پر پیش کیا کہ یہ ساری کائنات (Universe) صفر درجہ جسامت کی اِکائی تھی۔یعنی آپس میں باہم پیاز (Onion) کی طرح لپٹی ہوئی تھی۔ اچانک ایک زوردار دھماکے سے پھٹ کر زمین سے لے کر کہکشانوں تک یہ سارا تانہ بانہ وجود میں آ گیا۔قرآن حکیم اس بارے میں فرماتا ہے: أَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡأَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا...... [الانبیاء: ۳۰] (ترجمہ: اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے پس ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا.........[عرفان القرآن]) قرآن حکیم نے چودہ صدیاں قبل تخلیقِ کائنات کی یہ حقیقت عرب کے اس معاشرے میں بیان کی جن کو علم فزیکس کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہیں تھا! دراصل یہ لوگوں کے لئے دعوتِ فکر تھی کہ وہ اس Real fact کے بارے میں سوچیں۔آج بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں Zology کے طالبِ علم کو جانوروں کی بناوٹ

الاعتقاد

،خاصیت اور فائدے پڑھائے اور سمجھائے جارہے ہیں۔اگر ہم سورۃ الغاشیہ کی مختصر چار آیات اور سورۃ ذاریات کی دو چھوٹی آیات مُبارکہ پرغور کریں گے تو ہمیں بیک وقت علم حیوانات (Biology)، علم فلکیات (Astronomy)، (Space Science)، علم ارضیات (Geology) اور علم الابدان (Physiology) جیسے علوم کا ٹھاٹھے مارتا ہوا سمندر پڑھنے کو ملتا ہے جن میں یوں فرمایا گیا: أَفَلَا يَنـظُـرُونَ إِلَـى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ oوَإِلَـى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ o وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ oوَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ o[الـغـاشية:١٧-٢٠] (ترجمہ: کیا یہ لوگ اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح (عجیب ساخت پر) بنایا گیا۔اور آسمان کی طرف (نگاہ نہیں کرتے) کہ وہ کیسے (عظیم وسعتوں کے ساتھ) اٹھایا گیا ہے۔اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کس طرح (زمین سے ابھار کر) کھڑے کئے گئے ہیں۔اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ وہ کس طرح (گولائی کے باوجود) بچھائی گئی ہے۔[عرفان القرآن])۔(بہت ساری نشانیاں زمین میں اور آپ کے جانوں میں کیا تم دیکھتے نہیں)۔ انیسویں صدی تک علم کمسٹری میں یہ بات حرفِ آخر مانی جاتی ہے کہ ایٹم نا قابلِ تقسیم ذرّہ ہے۔بعد میں تحقیق اور تجسس نے اس بات کو رد کر دیا۔اور آج ایٹم کو بتیس (32) ذرّات تک تقسیم کیا گیا ہے؛ سولہ (16) positive اور سولہ (16) negative۔مگر قرآن حکیم نے پہلے ہی فرمایا ہے کہ ایٹم (ذرّہ) سب سے چھوٹا نہیں ہے بلکہ اس سے بھی اصغر اور کوئی شی ہے۔............وَمَـا يَعْـزُبُ عَـنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَـرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ o[يونس: ٦١] (ترجمہ: ....اور آپ کے رب (کے علم) سے ایک ذرّہ برابر بھی (کوئی چیز) نہ زمین میں پوشیدہ ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس (ذرہ) سے کوئی چھوٹی چیز ہے اور نہ بڑی مگر واضح کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں (درج) ہے۔[عرفان القرآن])۔اصغر سے مراد وہی ذرّات جو ایٹم کو توڑ کر معرضِ وجود میں آئے یعنی الیکٹران، پروٹان، نیوٹران اور میزان ہیں۔علم الجنین پر 18 مما لک کے ہزاروں سائنسدانوں نے مل کر کام کر کے اربوں روپیہ اس تحقیق پر خرچ کر کے اعلان کیا کہ آج ہم نے زندگی کے تمام اسرار ورموز جان لیے ہیں۔اور یہ اکیسویں صدی کی پہلی کامیاب ٹیکنالوجی ہے۔امریکہ میں اس ریسرچ کے حوالہ سے دوسو کتابیں موجود ہیں،جن میں ہر ایک کتاب پانچ سو صفات پر مشتمل ہے۔ Human Growth And Research Of Genes کا تعلق رحمِ مادر میں نطفے سے لے کر نو ماہ تک بچے کی تکمیل کے مراحل ہیں۔قرآنِ حکیم نے ایسی بے حد پیچیدہ گتھی کو صرف سورۃ المومنون کی تین آیتوں میں سلجھایا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَـقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ oثُـمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ oثُمَّ خَـلَـقْـنَـا الـنُّـطْـفَةَ عَـلَـقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْـمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَـرَ فَتَبَـارَكَ الـلَّـهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ o[المومنون: ١٢-١٤] (اور بیشک ہم نے انسان کی تخلیق (کی ابتداء) مٹی (کے کیمیائی اجزاء) کے خلاصہ سے فرمائی۔ پھر اسے نطفہ

(تولیدی قطرہ) بنا کر ایک مضبوط جگہ (رحمِ مادر) میں رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو (رحمِ مادر کے اندر جونک کی صورت میں) معلّق وجود بنا دیا، پھر ہم نے اس معلّق وجود کو ایک (ایسا) لوتھڑا بنا دیا جو دانتوں سے چبایا ہوا لگتا ہے، پھر ہم نے اس لوتھڑے سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنایا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت (اور پٹھے) چڑھائے، پھر ہم نے اسے تخلیق کی دوسری صورت میں (بدل کر تدریجاً) نشوونما دی، پھر اللہ نے (اسے) بڑھا (کر محکم وجود بنا) دیا جو سب سے بہتر پیدا فرمانے والا ہے۔ [عرفان القرآن]۔ یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاتی ہے کہ جنین کے بارے میں جو کچھ قرآن کریم نے معلومات فراہم کیے، جدید سائنس کی تحقیقات اس سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ یہ بات قابل بیان ہے کہ یورپ دُنیا کے مشہور علم الجنین کے سائنسداں نے انہی آیاتِ مبارکہ پر غور کر کے اسلام قبول کیا۔

جدید سائنسی تحقیقات نے ایک سو سال پہلے Genetic Finger Print دریافت کر کے یہ بتا دیا کہ ہر فرد کی انگلیوں کے نشان مختلف ہوتے ہیں۔ دو آدمیوں کے انگلیوں کے نشانات کبھی ملنے والے نہیں ہیں۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا: اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ o بَلٰی قٰدِرِیْنَ عَلٰی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ o [القیامه: ٣-٤] (ترجمہ: کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو (جو مرنے کے بعد ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گی) ہرگز اکٹھا نہ کریں گے۔ کیوں نہیں! ہم تو اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اُس کی انگلیوں کے ایک ایک جوڑ اور پوروں تک کو درست کر دیں۔ [عرفان القرآن])۔ غور طلب بات یہ ہے کہ آیتِ مبارکہ "انگلیوں کے پوروں" پر زور دے رہی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہ "پور" بہت ہی انفرادیت کے حامل ہیں۔ صدیوں پہلے قرآن کریم نے انگلیوں کے پوروں پر بنے لکیروں کی طرف انسان کی توجہ مبذول کی۔

پیٹرول اور گیس وہ زمینی ذخائر ہیں جو نقل و حمل کے تمام مشینوں میں کام آتے ہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں اشیاء ایسی ہیں جن میں ان کی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کی سورۃ طور کی چھٹی آیۃ مبارکہ میں فرماتا ہے: وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ o [الطور: ٦] (ترجمہ: اور اُبلتے ہوئے سمندر کی قسم۔ [عرفان القرآن])۔ پانچ اشیاء کی قسم کھا کر فرماتے ہیں 'مجھے سلگائے ہوئے سمندر کی قسم'۔ جدید سائنس نے یہ بات دریافت کی کہ زمین میں پیٹرول کے سمندر موجود ہیں۔ ساتھ ہی جدید سائنس یہ بتاتی ہے کہ جب سرسبز درخت حادثاتی طور زمین میں دفن ہو جاتے ہیں۔ سینکڑوں ہزاروں سالوں کے بعد یہی لکڑی پیٹرول اور گیس کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ قرآن کریم اس اہل اور کارآمد ایجاد کی طرف رہنمائی کر کے فرماتا ہے: اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ o [یٰسین: ٨٠] (ترجمہ: جس نے تمہارے لئے سرسبز درخت سے آگ پیدا کی پھر اب تم اسی سے آگ سلگاتے ہو۔ [عرفان القرآن])۔ اگر چہ قبل از سائنس اس کا معنی اور کچھ بھی ہو مگر بعد از سائنس یہی معنی مراد ہے۔ علم جغرافیہ کی رو سے بارش کے طریق کار کو آبی چکر (Water Cycle) کہا جاتا ہے؛ (بقیہ ص 12 پر)

قرآنی حل

مولانا عطاءاللہ نور آبادی (صدر انجمن تبلیغ الاسلام زون نور آباد

جمیع العلم فی القرآن لکِن   تَقَاصُرَ عَنْہُ اَفْہَامُ الرِّجَالِ

آج کے اس پر آشوب دور میں جب کہ پوری دنیا آلام کے ایک لامتنہی بھنور میں پھنسی ہوئی ہے، پوری نوعِ انسانی بالعموم اور فرزندانِ توحید بالخصوص عالمِ اضطراب کے سفرِ بے منزل پہ رواں دواں نظر آرہے ہیں اور پوری انسانیت سسکتی نظر آرہی ہے۔ ایسے میں جس سو بھی نظر ڈالیں بس الامان! بے حیائی و بے ادبی کا سیلِ رواں ناپیدا کنار اپنی پوری طغیانی کے ساتھ نظر آرہا ہے۔ نگر نگر میں بے راہ روی کو ہر طرح سے آکسیجن فراہم کیا جارہا ہے۔ اس ضمن میں عالمی سطح پر میڈیا و پرنٹ میڈیا بھی کندھے سے کندھا ملا کر اپنی تمام تر خدمات حاضر رکھے ہوئے نظر آرہا ہے، اِلا ماشاءَ اللہ! شراب نوشی، قمار بازی، سودخواری، قتل و غارت اور تفرقہ بازی کا اژدھا سر نکالے ڈگر ڈگر میں ڈھنستے نظر آرہا ہے۔ مادہ پرستی کی وباءِ عام سے بلا امتیازِ رنگ و نسل عوام الناس جھینکے مارتے نظر آرہے ہیں۔

تن ھمہ داغ داغ شُد   پنبہ کجا کجا نھم

ایسے حالات میں بھولے ہوئے اسباق یاد دلانے کے لئے اس متبرک مہینے میں ریاست جموں و کشمیر کی اتہاسی و اساسی تحریک انجمن تبلیغ الاسلام کی طرف سے اس تاریخی مقام پہ پانزدہ صد سالہ نزول قرآن کانفرنس کا انعقاد کرنا قابلِ صد تحسین و تبریک ہے۔ قبل اس کے کہ.........وَاِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ۝ [محمد: ۳۸] (ترجمہ:........اور اگر تم (حکمِ الٰہی سے) روگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ بدل کر دوسری قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہارے جیسے نہ ہوں گے۔ [عرفان القرآن]) کی نظیر خدانخواستہ منظر پہ آئے۔

سامعین با تمکین! قرآن کریم کا مدتِ مدید سے بلاتغیر، بے مثل فصاحت و بلاغت لئے پوری آب و تاب کے ساتھ کائنات کے طلاطم خیز انقلابات کے باوجود ہونا بذاتہٖ ایک عظیم معجزہ ہے۔ جس پہ ہر کس و ناکس کو تدبر کی اشد ضرورت ہے۔ جیسا کہ نصِ یزدانی اسی حقیقت ازلی پہ بایں طور دال ہے: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ وَ لَوۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَیۡرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوۡا فِیۡہِ اخۡتِلَافًا کَثِیۡرًا ۝ [النساء: ۸۲] (ترجمہ: تو کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے، اور اگر یہ (قرآن) غیرِ خدا کی طرف سے (آیا) ہوتا تو یہ لوگ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ [عرفان القرآن])

حاضرانِ عظام! فرقانِ حمید ایک ایسے بے مثال نظام کا خواہاں ہے جو ہر قسم کی چیرہ دستی اور آفات و آلام سے مبرا ہو۔ جس میں حقوقِ انسانی کی پاسداری ہو، قتل و غارت کا نام و نشان تک نہ ہو۔ ظاہری و باطنی بے حیائی کا تصور بھی نہ ہو۔ والدین و اکابرین کے تئیں احترام کا اعلیٰ ترین جذبہ ہو۔ یتماء کا مال و جان دست درازی سے محفوظ ہو۔ بناء بریں قرآن کریم کا یہ فرمانِ مقدس تا قامِ قیام جاری و ساری ہے کہ: قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمۡ عَلَیۡکُمۡ اَلَّا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَ لَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُکُمۡ وَ اِیَّاہُمۡ ۚ وَ لَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَہَرَ مِنۡہَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝ [الانعام:

الاعتقاد

151] (ترجمہ: فرما دیجیے: آؤ میں وہ چیزیں پڑھ کر سنادوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں (وہ) یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو۔ ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی (دیں گے)، اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ (خواہ) وہ ظاہر ہوں اور (خواہ) وہ پوشیدہ ہوں، اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے (قتل کرنا) اللہ نے حرام کیا ہے بجز حق (شرعی) کے (یعنی قانون کے مطابق ذاتی کی خاطر اور فتنہ وفساد اور دہشت گردی کے خلاف لڑتے ہوئے)، یہی وہ (امور) ہیں جن کا اس نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔[عرفان القرآن]) ۔ اسی طرح جملہ رسائمِ جاہلانہ کا قلع قمع کیا گیا۔ بقولِ علامہ اقبالؒ

نقشِ قرآن تا دریں عالم نشست　　　نقش ہائے کاہن و پاپا شکست

یہاں پہ یہ حدیث دلپذیر سپردِ قرطاس ابیض کرنا لابُدی گردانتا ہوں کہ: قَالَ النبی ﷺ: اَلحیاءُ و لایمانُ قرناءُ جمیعًا۔ اِذَا رُفِعَ اَحَدُھُما رفع الاٰخر۔ یعنی حیاء وایمان ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ جب ان میں سے ایک چلا جاتا ہے تو دوسرے کا بھاگنا بھی ضروری ہے۔

حضرات! سب سے اندوہناک وکربناک صورتِ حال یہ ہے کہ اس وادئ گلپوش میں دیدہ ودانستہ طور مداخلت بے جا سے نئی نسل کو اپنے آبا واجداد کی روایات کے برخلاف شراب نوشی، بے حیائی، سودخواری، جوابازی اور براؤن شوگر جیسے مہلک دلدل میں پھنسا کر کتاب مبین وتوحید ربانی اور عشقِ رسول ﷺ سے کوسوں بعید کر کے قعرِ مذلت میں دھکیلنے کی سعی نامسعود کی جاتی ہے۔ نوجوانانِ ملتِ ابیض ہوش کے ناخن لے کر صورت حال کا جائزہ لیں۔ چہ خوب فرمودہ شُد

بقولِ دشمن پیمانہ دوستی بشکستی　　　ببین از کہ بریدی و با کہ پیوستی

معززین! مَا اَنزَلَ اللّٰہُ دَاءً اِلَّا اَنزَلَ لَہُ الشِفَآء کے اصول سرمدی کے تحت قرآن کریم نے جہاں وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْن کا اعلان عام فرمایا وہیں فوق الذکر جملہ آلام ومصائب کا نمایاں علاج بھی مرحمت فرمایا۔ کلامِ مبین ایک مضبوط اُمت مسلمہ کا خواہاں ہے جس کے لئے یوں اصول مرتب کئے گئے۔ وَاعْتَصِمُوا بحبل اللّٰہِ جمیعًا وَّلا تَفَرَّقُوْا اور وَلَا تَنَازَعُوا فَتفشَلُوا و تَذھَب ریحُکُم۔ ☆☆☆

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **مثال** دینے کا مقصد دلوں میں اثر پیدا کرنا ہوتا ہے جو خود اس شے سے نہیں ہوتا کیونکہ **مثال** سے غرض یہ ہوتی ہے کہ خفی بات کی جلی سے اور غائب کی حاضر وموجود شے سے مشابہت ومماثلت (Comparison / Likening) بیان کی جائے اور یہ مشابہت اس شے کی ماہیت وحقیقت پر آگاہی میں پختگی پیدا کرتی ہے اور حس کو عقل کے مطابق کر دیتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے جب ایمان لانے کی ترغیب **مثال** دیئے بغیر ہو تو وہ دل پر اس قدر پختہ اثر نہیں کرتی جتنا کہ اس وقت کرتی ہے جب ایمان کی **مثال** نور وروشنی سے دی جائے ۔یوں ہی جب تم صرف کفر کا ذکر کر کے ڈراؤ گے تو عقلوں میں اس کی قباحت وبرائی اس طرح پختہ نہیں ہوگی جیسا کہ ظلمت واندھیرے سے **مثال** کے ذریعے ہوگی۔

مثال کی ضرورت واہمیت

محمد آصف اقبال عطاری

آغازِ سخن:

اللہ عزوجل نے انسان کو عقل کے نور سے مزین فرمایا تا کہ انسان صحیح وغلط میں فرق کر سکے۔ پھر عقل کے لحاظ سے انسان مختلف درجات میں بٹے ہوئے ہیں، کوئی زیادہ عقل مند تو کوئی کم عقل اور کوئی ان دونوں کے درمیان ہے۔ پہلے درجے والے عقلی ہو یا حسی ہر بات فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرے درجے والے انسانوں کو عقلی و علمی باتیں سمجھنے میں کافی غور وفکر سے کام لینا پڑتا ہے جبکہ تیسرے درجے والے حقائق علمی کو ذرا سی توجہ کرنے سے سمجھ جاتے ہیں۔ جب حقیقت یہ ہے کہ بعض انسان کم عقل اور کم فہم ہیں تو انہیں عقلی اور غیر محسوس بات سمجھانے کے لئے کسی ایسی شے کا سہارا لینا پڑتا ہے جو ان کے لئے دیکھی بھالی ہو، ان کے عادات اور روزمرہ سے تعلق رکھتی ہو اور وہ شب وروز اس کا نظارہ کرتے ہوں۔ جیسے کسی کم عقل کو یہ بات سمجھانی ہو کہ "عمر غیر محسوس طریقے سے بڑھتی ہے" یعنی پتا بھی نہیں چلتا اور عمر بڑھتی جاتی ہے تو اب اسے یہ **مثال** دے کر آسانی سے سمجھایا جا سکتا ہے کہ "دیکھو یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کے بال یا ناخن بڑھتے ہیں اور آپ کو پتا نہیں چلتا۔" اس **مثال** سے کم عقل آپ کی بات اس لئے سمجھ جائے گا کہ بال وناخن کا غیر محسوس طریقے سے بڑھنا وہ دن رات ملاحظہ کرتا ہے۔ یوں ہی "عمر تیزی سے ختم ہو رہی ہے" اس بات کو ہم یوں **مثال** دے کر سمجھاتے ہیں "انسان کی عمر اس تیزی سے ختم ہو رہی جیسے برف پگھلتی ہے۔"

پھر حال یہ ہے کہ ہم صبح شام یہ کہتے نظر آتے ہیں "**مثال** کے طور پر"، "مثلاً"، "جیسے"، "یا اسے یوں سمجھ لو" وغیرہ اور ہمارا ٹیچر یا ٹیوٹر بھی ہمیں بار بار "for example" کہہ کہہ کر سمجھاتا ہے۔ اس طرح ہم **مثال** دے کر بات سہولت کے ساتھ دوسرے کو ذہن نشین کرا دیتے ہیں۔ الغرض عقلی ابحاث میں وضاحت وتشریح کے لئے "**مثال**" کا کردار ناقابل انکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حقائق کو واضح وروشن اور انھیں ذہن کے قریب کرنے میں ہم ہمیشہ **مثال** کے محتاج ہیں کیونکہ کبھی "**ایک مثال**" مقصود سے ہم آہنگ کرنے اور وضاحت کے سلسلے میں ایک کتاب کا کام کرتی ہے اور مشکل مطالب کو سب کے لئے عام فہم بنا دیتی ہے۔ **مثال** کے خوبصورت اور عام فہم ہونے کی وجہ سے تمام تہذیبوں نے اسے قبول کیا ہے، یہ ان کی تہذیبی طاقت کی علامت ہے، انہوں نے اس سے استفادہ کیا اور اسے عمدہ وپسندیدہ چیزوں میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ، امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **مثالیں** دینا عقلی طور پر پسندیدہ امور میں سے ہے۔ (تفسیر کبیر، ج۱، ص۳۶۲) معلوم ہوا کہ "**مثال**" کو ہماری زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔

مثال کی تعریف:

مثال ومثل کے لغوی معنی "مانند، نمونہ، نظیر، تشبیہ" وغیرہ ہیں۔ ابن منظور افریقی لکھتے ہیں: **ضَرْبُ الْاَمْثَال اِعْتِبَارُ الشَّیْءِ بِغَیْرِہٖ** یعنی کسی شے کو اس کے غیر کے ساتھ جانچنے وپرکھنے کو **مثال** دینا کہتے ہیں۔ (لسان العرب، ج۱، ص۵۴۷)

اس کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر علاء اسماعیل حمزاوی "**الأمثال العربية والأمثال العامية**" کے صفحہ۴ پر لکھتے ہیں: "**أَنَّ الْمَثَلَ هُوَ جُمْلَةٌ خَيَالِيَةٌ ذَائِعَةُ الْاِسْتِخْدَامِ ، تَدُلُّ عَلَى صِدْقِ التَّجْرِبَةِ اَوِ النَّصِيْحَةِ**

اَوِ الْحِكْمَةِ ، يَرْجِعُ اِلَيْهَا الْمُتَكَلِّمُ وَقَدِيْمًا عَرَفُوْا الْمَثَلَ بِأَنَّهُ حِكْمَةٌ شَعْبِيَّةٌ قَصِيْرَةٌ تَتَدَاوَلُ عَلَى الْاَلْسِنَةِ ، اَوْ هُوَ جُمْلَةٌ غَالِبًا مَا تَكُوْنُ قَصِيْرَةً ، تُعْبُرُ عَنْ حَدْثٍ ذِیْ مَدْلُوْلٍ خَاصٍ ، لَكِنْ يَبْقِیْ عَلَى الْمُسْتَمِعِ تَخْمِيْنُهُ ترجمہ: **مثال** وہ خیالی جملہ جس کا استعمال عام ہو جو حقیقی تجربہ یا نصیحت یا حکمت پر دلالت کرتا ہو اور کلام کرنے والا اس سے یہی ارادہ کرے اور لوگ شروع ہی سے مثال کو پہچانتے ہوں کہ یہ زبانوں پر جاری عوامی مقبولیت رکھنے والی حکمت بھری بات ہے یا **مثال** عمومی طور پر اس مختصر جملے کو کہتے ہیں جو خاص شے پر دلالت کرنے والی بات کو بیان کرتا ہو مگر اس کا اندازہ لگانا سننے والے پر موقوف ہوتا ہے۔''

مثال دینے کا مقصد:

مثال دینے (Showing by example) کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ تو اس بارے میں اہلِ علم وفن نے مختلف الفاظ کے ساتھ رائے کا اظہار کیا ہے مگر سب کا ماحاصل ایک ہی ہے۔ چند آراء ملاحظہ کیجئے:

تاج العروس میں شرح نظم الفصیح کے حوالے سے ہے: ضَرْبُ الْمَثَلِ اِيْرَادُهُ لِيُتَمَثَّلَ بِهِ وَيُتَصَوَّرَ مَا اَرَادَ الْمُتَكَلِّمُ بَيَانَهُ لِلْمُخَاطَبِ یعنی **مثال** اس لئے لائی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے مشابہت ومماثلت بیان کی جائے اور متکلم نے جو بات مخاطب سے بیان کرنے کا ارادہ کیا ہے اس کا تصور کیا جائے۔(تاج العروس، ج۱،ص۶۸۶)

مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: **مثال** سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ معقول چیز محسوس بن کر ہر ایک کی سمجھ میں آجائے اور اس کے ذریعے مضمون کو دل قبول کرے۔(تفسیر نعیمی، ج۱،ص۲۳۱)

مفسر قرآن وشارح صحیحین علامہ غلام رسول سعیدی دام ظلہ فرماتے ہیں: **مثال** کے ذریعہ مثّل لہ (مقصود) کے معنیٰ کو منکشف کیا جاتا ہے اور امر معقول کو محسوس اور مشاہد کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ سمجھ آجائے۔(تبیان القرآن، ج۱،ص۳۴۰)

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **مثال** دینے کا مقصد دلوں میں اثر پیدا کرنا ہوتا ہے جو خود اس شے سے نہیں ہوتا کیونکہ **مثال** سے غرض یہ ہوتی ہے کہ خفی بات کی جلی سے اور غائب کی حاضر وموجود شے سے مشابہت ومماثلت (Comparison / Likening) بیان کی جائے اور یہ مشابہت اس شے کی ماہیت وحقیقت پر آگاہی میں پختگی پیدا کرتی ہے اور حس کو عقل کے مطابق کر دیتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے جب ایمان لانے کی ترغیب **مثال** دیئے بغیر ہو تو وہ دل پر اس قدر پختہ اثر نہیں کرتی جتنا کہ اس وقت کرتی ہے جب ایمان کی **مثال** نور وروشنی سے دی جائے۔ یوں ہی جب تم صرف کفر کا ذکر کر کے ڈراؤ گے تو عقلوں میں اس کی قباحت وبرائی اس طرح پختہ نہیں ہوگی جیسا کہ ظلمت واندھیرے سے **مثال** کے ذریعے ہوگی۔ اسی طرح اگر تمہیں کسی بات کی کمزوری بیان کرنی ہو تو اس کی **مثال** مکڑی کے جالے سے دو گے تو یہ اس خبر سے یقینی طور پر زیادہ اثر انگیز ہوگی جو صرف ''کمزوری'' کے ذکر پر مشتمل ہو۔(تفسیر کبیر، ج۱،ص۳۱۲)

مثال دینے کا قاعدہ:

الاعتقاد

جو بات قاعدہ وقانون کے تحت کی جاتی ہے وہ اپنی ایک حیثیت رکھتی ہے اور قابلِ التفات وقابلِ حجت قرار پاتی ہے ورنہ وہ عبث وفضول ٹھہرتی ہے اسی طرح **مثال** بیان کرنے کا بھی ایک قاعدہ ہے۔ یہ سمجھنے کے لئے درج ذیل تین اقتباسات کافی ہیں:

(۱)......''کسی چیز کا جیسا حال ہوگا اسی قسم کی چیز سے اس کی **مثال** دی جائے گی۔ بڑی چیز کی **مثال** بڑی اور حقیر چیز کی **مثال** حقیر چیز، اس پر اعتراض کرنا محض غلط اور بے جا ہے بلکہ یہ تو کمالِ حکمت ہے کہ **مثال** اصل کے مطابق ہو حقیر چیزوں کی **مثال** چھوڑ دینی اور ان کے بغیر **مثال** لانا ان کے سمجھانے کے لئے کافی نہ ہوگا۔ مثل مشہور ہے کہ **مثال** اقوال کا چراغ ہے۔ چراغ خواہ سونے کا ہو خواہ مٹی کا روشنی میں فرق نہیں رکھتا۔'' (تفسیر نعیمی، ج۱، ص۲۳۱)

(۲)......''**مثال** دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس وجہ سے مثال دی گئی ہے اس وجہ سے وہ **مثال** مُمثّل لہ کے موافق ہو اگر کسی چیز کی عظمت بیان کرنا مقصود ہو تو عظیم چیز سے **مثال** دی جائے گی اور اگر کسی چیز کی خست (حقارت) بیان کرنا مقصود ہے تو حقیر چیز سے **مثال** دی جائے گی۔'' (تبیان القرآن، ج۱، ص۳۴۰)

(۳)......''**مثال** سمجھانے کو ہوتی ہے نہ کہ ہر طرح برابری بتانے کو۔ قرآن عظیم میں نورِ الٰہی کی **مثال** دی كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ (جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے) کہاں چراغ اور قندیل اور کہاں نورِ ربِ جلیل۔'' (فتاوی رضویہ، ج۳۰، ص۲۶۶)

قرآن کریم اور مثال:

یہاں تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہوا کہ ''کسی بات کی وضاحت وبیان کے لئے **مثال** دینا انتہائی مفید ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس مقدس کتاب میں جا بجا ''**مثالیں**'' نظر آتی ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اس کتاب کا مقصد ہی ''وضاحت وبیان'' ہے جیسے توحید ورسالت، عقائد ونظریات، شریعت وطریقت اور ظاہر وباطن کا بیان وضاحت وغیرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ** (پ۱۴، النحل:۸۹) ترجمہ کنزالایمان: اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔'' اور **مثالیں** بیان کرنے کے متعلق ارشاد ربانی ہے: **وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ** (پ۲۸، الحشر:۲۱) ترجمہ کنزالایمان: اور یہ **مثالیں** لوگوں کے لئے ہم بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں۔

قرآنی مثالوں کی اغراض:

قرآن کریم میں بیان کردہ **مثالوں** کی بعض اغراض ومقاصد نیز ان کی چند خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے عبدالرحمٰن میدانی اپنی کتاب ''**البلاغة العربية اسسها وعلومها وفنونها**'' کے صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں: کلام کو ادبی حسن وجمال سے آراستہ کرنے میں **مثالوں** کا اہم کردار ہے جبکہ **امثلہ** ان کی فنی شرائط کے مطابق ذکر کی جائیں ورنہ ان کا ذکر کرنا عبث وبے فائدہ ہوتا ہے۔ میں نے **قرآنی امثلہ** میں نہایت جستجو وتتبع کیا، میں نے انہیں ان اہم اغراض کے موافق پایا جنہیں بلغاء پیش نظر رکھتے ہیں اور وہ اغراض بنی نوع انسان

کی اخلاقی تربیت پر مشتمل ہیں۔ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

پہلی غرض: مثال ایسی صورت میں بیان کرنا کہ جو مخاطب کے ذہن کو اصل مقصود کے قریب کردے۔

دوسری غرض: مثال کے ذریعے ایسی دعوتِ فکر دینا جو اطمینان بخش ہو۔

تیسری غرض: مثال عمدہ پیرائے میں بیان کرکے کسی کام کے کرنے کی ترغیب دلانا اور اس کی خوبیوں کو احسن انداز میں بیان کرنا تاکہ قاری اس کی طرف راغب ہو یا کسی فعل سے نفرت دلانا اور اس کی برائیوں کو کھول کر بیان کرنا تاکہ قاری اس بُرے فعل سے متنفر ہو۔

چوتھی غرض: مثال سے کسی چیز کی امید دلانا تاکہ مخاطب اس کی طرف مائل ہو (جیسے جنت اور اس کی خوبیوں کا بیان) یا کسی شے کا خوف دلانا تاکہ وہ اس سے اجتناب کرے (جیسے جہنم اور اس کے عذابات کا تذکرہ)

پانچویں غرض: مثال ذکر کرکے کسی شے کی تعریف کرنا یا برائی بیان کرنا یا اس کی عظمت کو بیان کرنا یا اس سے نفرت دلانا۔

چھٹی غرض: مثال بیان کرکے مخاطب کے ذہن کو تیز کرنا یا اس کی فکری طاقتوں میں جنبش پیدا کرنا تاکہ وہ تدبر و تامل کرکے اصل مقصود و مراد کا ادراک کرے۔

قرآنی مثالوں کی خصوصیات:

میدانی صاحب چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: **قرآنی مثالوں** میں خوب کوشش کے بعد مجھ پر ان کی یہ 6 خصوصیات منکشف ہوئی ہیں:

(۱) مثال بیان کرکے اہم عناصر کو خوب واضح کیا گیا ہے۔ **(۲) مثال** گویا چلتا پھرتا بولتا انسان ہو۔ **(۳)** جس کے لئے **مثال** بیان کی جارہی ہے اور جسے **مثال** بنایا جارہا ہے دونوں کے مابین مکمل مماثلت ہے۔ **(۴)** تشبیہات کی اقسام کو ملحوظ رکھا گیا ہے مثلاً تمثیل بسیط، تمثیل مرکب کہ اس میں جس کے لئے **مثال** بیان کی گئی ہے اس کے ہر ہر جزء سے مثال کی موافقت و مطابقت ہے۔ **(۵) مثال** ممثل لہ کی صورت کے مخاطب کے ذہن میں ادراک کا وسیلہ ہے۔ **(۶)** استنباط کرنے والوں کی ذہانت کی بنا پر کہیں **قرآنی امثلہ** سے قطعات (چھوٹے چھوٹے محذوفات) کو حذف کردیا گیا ہے اور کہیں ممثل لہ سے ایسا کیا گیا ہے کیونکہ الفاظ کی دلالتیں اور معانی کے لوازمات محذوف پر دلالت کرتے ہیں۔ (البلاغۃ العربیۃ، ص۵۹)

یہ **قرآنی مثالوں** کی اغراض و مقاصد اور ان کی خصوصیات کی صرف ایک جھلک ہے ورنہ ان کے مقاصد و خصائص اس سے کہیں زیادہ ہیں۔

قرآن کریم سے تین مثالیں:

آیئے اب قرآن کریم سے چند **مثالیں** ملاحظہ کیجئے کہ وہ کس احسن انداز سے مخاطب کے ذہن کو اصل مقصود کے قریب کرتی، تسلی بخش دعوتِ فکر دیتی اور عمدہ پیرائے میں کسی فعل کی ترغیب دلاتی یا کسی فعل سے نفرت پیدا کرتی ہیں۔

دو قرآنی مثالیں اور ان کی وضاحت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱)......**یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ**

الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَ اِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ (پ۱۷،الحج:۷۳) ترجمہ کنزالایمان: اے لوگو ایک کہاوت فرمائی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو وہ جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے ہو ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگر چہ سب اس پر اکٹھے ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا نہ سکیں کتنا کمزور چاہنے والا اور وہ جس کو چاہا۔

(۲)......نیز ارشاد فرماتا ہے: مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَیْتًا وَ اِنَّ اَوْھَنَ الْبُیُوْتِ لَبَیْتُ الْعَنْکَبُوْتِ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ (پ۲۰،العنکبوت:۴۱) ترجمہ کنزالایمان: ان کی **مثال** جنہوں نے اللہ کے سوا اور مالک بنالئے ہیں (معبود ٹھہرالیا) مکڑی کی طرح ہے اس نے جالے کا گھر بنایا اور بیشک سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر کیا اچھا ہوتا اگر جانتے۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ ان دونوں آیات کے تعلق سے فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کی عبادت اور عبادت رحمٰن سے ان کی دشمنی کی شناعت وقباحت بیان کرنے کا ارادہ فرمایا تو مکھی کی **مثال** ہی مناسب تھی کہ ان بتوں سے مکھی کے نقصان کا ازالہ نہیں کیا جاسکتا اور مکڑی کے گھر (جالے) کی **مثال** دی تاکہ آشکار ہو جائے کہ ان بتوں کی عبادت اس سے بھی کمزور واضعف ہے۔ ایسی **مثال** میں جس کی **مثال** دی گئی وہ اضعف ہوتا ہے جبکہ **مثال** اقوی واوضح ہوگی۔ (تفسیر کبیر، ج۱، ص۳۶۳)

تیسری مثال اور اس کی وضاحت:

(۳) جب اللہ تعالیٰ نے آیت **مَثَلُھُمْ** کَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ'' (البقرۃ:۱۸) اور آیت طیبہ ''اَوْ کَصَیِّبٍ'' (البقرۃ:۱۹) میں منافقوں کی دو **مثالیں** بیان فرمائیں تو منافقوں نے یہ اعتراض کیا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالاتر ہے کہ ایسی **مثالیں** بیان فرمائے تو حکیم وقادر مطلق رب تبارک وتعالیٰ نے یوں جواب ارشاد فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَۃً فَمَا فَوْقَھَا فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّھِمْ وَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِھٰذَا مَثَلًا یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا وَمَا یُضِلُّ بِہٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ (پ۱،البقرۃ:۲۶) ترجمہ کنزالایمان: بیشک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ **مثال** سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمائے مچھر ہو یا اس سے بڑھ کر تو وہ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے رہے کافر وہ کہتے ہیں ایسی کہاوت میں اللہ کا کیا مقصود ہے اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں۔

مفسر قرآن جسٹس پیر کرم شاہ صاحب الازہری اس کے تحت رقم طراز ہیں: مقصد یہ ہوا کہ کسی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اگر مکھی، مکڑی، مچھر یا اس سے بھی حقیر ترین چیز سے **مثال** دینا ضروری ہو تو اللہ تعالیٰ کسی کے اعتراض کے ڈر سے اس **مثال** کو ترک نہیں فرماتا، سلیم الطبع لوگ تو **مثال** کے مفید

الاعتقاد

ہونے کی وجہ سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے لیکن جن کی فطرت مسخ ہوچکی ہے وہ اعتراض کرنا شروع کردیتے ہیں کہ یہ عجیب خدا کا کلام ہے جس میں مکڑی اور مچھروں کا ذکر ہے(ضیاءالقرآن، ج۱،ص۴۲)

یہ صرف تین **قرآنی مثالیں** ہیں جو یہاں ذکر کی گئیں ورنہ جب ہم اس بے مثال کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم پر یہ بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ اس میں **علم وحکمت** کو اپنے دامن میں سموئے ہوئے **مثالوں** کے چراغ انسان کو ہدایت کی روشنی سے ہمکنار کررہے ہیں۔

احادیث کریمہ سے تین مثالیں:

قرآن کریم کی طرح احادیث کریمہ میں بھی **مثالوں** کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب اور قیامت تک آنے والے امتیوں کو دین کا پیغام آسانی اور وضاحت کے ساتھ سمجھانے کے لئے کئی مواقع پر **روزمرہ زندگی سے مثالیں** دیں ہیں۔ یہاں بعض ذکر کی جاتی ہیں۔

پہلی مثال اور اس کی وضاحت:

(۱)......حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی **مثال** ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے گھر بنایا اور اس کے سجانے اور سنوارنے میں کوئی کمی نہ چھوڑی مگر کسی گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔لوگ اس کے گرد پھرتے اور تعجب سے کہتے، بھلا یہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ فرمایا: وہ اینٹ میں ہوں ۔میں سارے انبیاء سے آخری ہوں۔(صحیح بخاری، کتاب المناقب، الحدیث:۳۵۳۵ ج۲،ص۴۸۴)

اہل اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ حضور خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ہیں۔آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔اس عقیدہ ختم نبوت کا منکر کافر ومرتد یعنی دائرہ اسلام سے خارج ہے۔اس حدیث شریف میں بڑے ہی عمدہ پیرائے میں ایک **عام فہم مثال** کے ذریعے ختم نبوت کا عقیدہ سمجھایا گیا ہے تاکہ عامی سے عامی شخص بھی سمجھ جائے مگر کیا کریں کہ ”خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے“ کے مترادف مرزا غلام احمد قادیانی جو بزعم خود عقل وفہم میں یکتا اور عربی دانی میں بے نظیر ہونے کا مدعی تھا، اس آسان سی **مثال** کو نہ سمجھ سکا یا پھر جان بوجھ کر نہ سمجھا اور نبوت کا جھوٹا دعویدار بن بیٹھا اور اپنے لئے دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی خرید لی۔

دوسری مثال اور اس کی وضاحت:

(۲)......حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس پر پت جھڑ نہیں آتا (اس کے پتے نہیں جھڑتے) اور وہ مسلمان کی مانند ہے۔مجھے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ ابن عمر کا کہنا ہے کہ لوگوں کا دھیان جنگلی درختوں کی طرف چلا گیا عبداللہؓ بن عمرؓ فرماتے ہیں میرے ذہن میں آ گیا کہ ہو نہ ہو کھجور کا درخت ہے مگر حیاء آڑے آئی آخرکار صحابہ کرامؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہی بتلایئے وہ کون سا درخت ہے۔فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔(صحیح بخاری، کتاب العلم، الحدیث:۷۲، ج۱،ص۴۳)

اس حدیث شریف میں مومن کی **مثال** کھجور کے درخت کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور سمجھایا گیا ہے کہ جس طرح کھجور کا

الاعتقاد

تقریباہر جزنفع بخش ہےاسی طرح مومن کاہر فعل نفع بخش ہوتا ہے۔اس تشبیہ کی وجوہ بیان کرتے ہوئے مفسر قرآن وشارح صحیحین علامہ غلام رسول سعیدی دام ظلہ فرماتے ہیں: کھجور کے درخت میں بہت خیر ہے،اس کاسایاہمیشہ رہتاہے،اس کا پھل میٹھا ہوتاہےاور یہ پھل اکثر دستیاب ہوتاہے،اس کا تازہ پھل کھایاجاتا ہے ،سوکھنے کے بعد چھوارا بن جاتا ہے ،وہ بھی مختلف طریقوں سے کھایا جاتا ہے،اس کے تنے سے شہتیر کا کام لیاجاتاہے،اس کے پتوں سے چٹائیاں،رسیاں،برتن اور پنکھے بنائے جاتے ہیں حتی کہ اس کی گٹھلیاں بھی کام آتی ہیں ،ان سے تسبیح بنائی جاتی ہے۔اسی طرح مومن میں بھی بہت خیر ہے۔نماز،روزہ ،زکوۃ اور حج سے اس کو بہت ثواب ملتا ہے ،اپنے اہل وعیال کے رزق کی طلب کے لئے وہ جو کسب معاش کرتاہے وہ بھی کارِثواب ہے،دوستوں اورعزیزوں سے جونیک سلوک کرتاہےاس سےبھی اس کوثواب ملتاہے،حصول سنت کی نیت سےاس کا کھاناپینا،سوناجاگنااوراہل وعیال اور ماں باپ کےحقوق ادا کرنے سے بھی اس کوثواب ملتا ہے ،غرض اس کے ہر نیک عمل میں ثواب ہے۔(دوسرے)جس طرح کھجور کے درخت کی جڑیں زمین میں پیوست ہوتی ہیں اوراس کی شاخیں اوپر آسمان کی طرف جاتی ہیں ،اسی طرح مومن کے ایمان کی جڑیں اس کے سینہ میں پیوست ہوتی ہیں اوراس کے نیک اعمال کی شاخیں آسمان کی طرف چڑھی ہوتی ہیں۔(نعمۃ الباری،ج۱،ص۳۰۹)

تیسری مثال اوراس کی وضاحت:

(۳).....حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اللہ تعالیٰ کی حدوں کوقائم رکھنے والوں اورتوڑنے والوں کی **مثال** ایسی ہے جیسے کشتی کےسواروں نے اپنا حصہ تقسیم کرلیا۔بعض کے حصے میں اوپر والا حصہ آیا اور بعض کے حصے میں نیچے والا پس جولوگ نیچے تھے انہیں پانی لینے کے لئے اوپر والوں کے پاس جاناپڑتا تھاانہوں نے کہا کہ کیوں نہ ہم اپنے حصے میں سوراخ کرلیں اوراوپروالوں کے پاس جانے کی زحمت سے بچیں پس اگروہ انہیں ان کےارادے کےمطابق چھوڑے رہیں توسب ہلاک ہوجائیں اور اگر ان کے ہاتھ پکڑلیں تو سارے بچ جائیں۔(صحیح بخاری،کتاب الشرکۃ،الحدیث:۲۴۹۳،ج۲،ص۱۴۳)

اس حدیث شریف میں ایک **مثال** کے ذریعے برائی سے روکنے اورنیکی کاحکم دینے کی اہمیت کوواضح کیا گیاہےاور بتایا گیا کہ اگر یہ سمجھ کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ترک کردیاجائے کہ برائی کرنے والاخودنقصان اٹھائے گاہمارا کیانقصان ہے!تو یہ سوچ غلط ہے۔اس لئے کہ اس کے گناہ کے اثرات تمام معاشرےکواپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور جس طرح کشتی توڑنے والااکیلاہی نہیں ڈوبتا بلکہ وہ سب لوگ ڈوبتے ہیں جوکشتی میں سوار ہیں،اسی طرح برائی کرنے والے چندافراد کا یہ جرم تمام معاشرے میں ناسور بن کر پھیلتا ہے۔(مراۃ المناجیح،ج۶،ص۵۰۴)

حکمائے اسلام اورمثال:

قرآن وحدیث کے طریقہ کی پیروی کرتے ہوئے بعض بزرگوں اورحکمائے اسلام نے بھی اپنی کتب میں افہام وتفہیم کے لئے بکثرت **مثالیں** دی ہیں۔اس حوالے سے ماضی

بعید میں حضور حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد بن محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔اس پر آپ کی جملہ تصانیف بالخصوص احیاء العلوم شاہد عدل ہیں۔جبکہ ماضی قریب میں نباض قوم، محسن اہلسنّت، کاشف اسرار حقیقت و معرفت مفسر شہیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بدایونی اشرفی رحمۃ اللہ علیہ تو دنیائے اردو کو مثال دے کر سمجھانے میں اپنی نظیر آپ ہیں۔تفسیر نعیمی ہو یا مراۃ المناجیح، رسائل نعیمیہ ہوں یا مواعظ نعیمیہ، آپ کی کم وبیش ہر کتاب میں **مثالوں** کی کثرت پائی جاتی ہے۔اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے آپ کے حالاتِ زندگی پر پی ایچ ڈی کے مقالہ نگار جناب شیخ بلال احمد صدیقی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان (مفتی احمد یار خان نعیمی) کا ذہن خاص طور پر اسی ضرورت کی طرف زیادہ متوجہ تھا کہ عامۃ الناس کے حلقوں کے لئے اور کم پڑھے لکھے لوگوں کے لئے آسان اور مفید لٹریچر پیدا کرنا وقت کا اہم ترین تقاضا ہے چنانچہ وہ خود فرمایا کرتے تھے:"میں جب لکھنے کے لئے بیٹھتا ہوں تو یہ بات مدنظر رکھتا ہوں کہ میں بچوں، عورتوں اور دیہات کے کم پڑھے لوگوں سے مخاطِب ہوں۔" تفسیر لکھنے کا آغاز کیا تو اس میں بھی ان کا بنیادی احساس یہی تھا کہ ایسی سادہ اور آسان زبان میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی جائے جس سے قرآن حکیم کے مشکل مسائل بھی آسانی سے سمجھ آسکیں، تفسیر نعیمی کے دیباچے میں لکھتے ہیں: **"بہت کوشش کی گئی ہے کہ زبان آسان ہو اور مشکل مسائل بھی آسانی سے سمجھا دیئے جائیں۔"** چند سطور کے بعد شیخ بلال احمد رقم طراز ہیں: ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی کہ کم خواندہ سے کم خواندہ آدمی بھی ان کی بات کو سمجھ سکے **۔مضمون کو واضح اور سہل بنانے کے لئے روزمرہ زندگی سے بکثرت مثالیں منتخب کر لیتے۔** (حالاتِ زندگی مفتی احمد یار خان نعیمی، ص۱۰۴)۔☆☆☆

بقیہ قرآن کریم اور نبوت ورسالت

وگمراہی اور گناہ انبیاومرسلین سے سرزد نہیں ہوسکتا تو دوسرے لوگوں پر لازم ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں کی پیروی کریں۔کیوں کہ

☆ نبوت ورسالت کے منصب کے لیے انھیں کو چُنا جاتا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ اپنی خاص ہدایت سے نوازتا ہے۔

☆انبیاومرسلین کے سلسلے میں ضلالت وگمراہی کا شائبہ بھی نہیں پایا جاسکتا، کیوں کہ وہ خاص ہدایت ربانی سے نوازے جاتے ہیں۔

☆قرآن کریم کی زبان میں ہر وہ معصیت جواللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں ہوا ُسے ضلالت وگمراہی کہا جاتا ہے۔

غرض کہ انبیاومرسلین یقینی طور پر معصوم اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں، اب اگر انبیاومرسلین سے کبھی بھول چوک واقع ہوجائے تو اُس کا لازمہ یہ ہوگا کہ یہ بھول چوک مشیت الٰہی ہے، چوں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاو مرسلین کی اطاعت و پیروی لوگوں پر فرض کر رکھا ہے۔اس لیے ان کی اطاعت ہی میں ہر مخلوق کی بھلائی ہے۔

استاذ: جامعہ عارفیہ، سید سراواں، الہ آباد

تفسیر - تاویل؛ایک مطالعہ

عبدالحمید حنفی قادری (شعبۃ التفسیر،کلیۃ اصول الدین جامعۃ الازہرالشریف،القاہرہ،مصر)

تفسیر کی لغوی تعریف:

لغوی اعتبار سے "تفسیر"، 'فسر' سے ماخوذ ہے جس کے معنی 'کشف'، 'بیان'، ہیں یا 'لفظِ مشکل کے مراد کا ظاہر ہونا'۔ 'تفسیر' کی لغوی تعریف کے سلسلہ میں علمائے اہلِ لغت کے مختلف اقوال ہیں۔ علامہ ابن منظور نے تفسیر کی لغوی تعریف یہ کی ہے کہ "تفسیر ھوالبیان" یعنی فسر کا معنی بیان ہے۔ (لسان العرب لابن منظور، ۳۶۱/۶)

امام ابن فارس نے تفسیر کی لغوی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ "فسر ایسا کلمہ ہے جو شے کے بیان وتوضیح پر دلالت کرے۔" (التفسیر والمفسرون للدکتور محمد حسین الذھمی المصری، ۱۵/۱)

امام راغب اصفہانیؒ تفسیر کی لغوی تعریف میں رقم طراز ہیں کہ "فسر اور سفر لفظ کی طرح متقارب المعنی ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ فسر معنی معقول کی وضاحت کے لئے ہے اور سفر معنی منقول ومنظور کے لئے ہے۔" (التفسیر والمفسرون للدکتور محمد حسین الذھمی المصری، ۱۵/۱)

امام ابوالبقاء العکبر ی کے نزدیک تفسیر کی لغوی تعریف یہ ہے: التفسیر الاستبانۃ والکشف یعنی کسی شی کا ظاہر ہونا اور تعبیر ثانی ہے کہ کسی لفظ سے ایسی شی کا مراد لینا جو اصل لفظ سے آسان اور سہل ہو۔ (دراسات فی مناھج المفسرین، للدکتور علی عبدالقادر، ۲۰)

علمائے اہلِ بیان کے نزدیک کلام کے لبس وخفا کے زائل کرنے کا نام تفسیر ہے۔

تفسیر کی اصطلاحی تعریف:

جب ہم علوم قرآن کے مصنفات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ماہرینِ علوم قرآن کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ مفسرین کرام اور باحثین علوم قرآن نے تفسیر کی مختلف اصطلاحی تعریفیں کی ہیں۔ سب سے پہلے امام ابوحبان اندلسی کی تعریف سپردِ قرطاس ہے:

"تفسیر ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کے ذریعہ نطق کی کیفیت سے بحث کی جاتی ہے اور اس کے علاوہ الفاظ کے سوالات واحکام فردیہ وترکیبیہ سے، اوران معانی سے جن پر حالت ترکیب محمول ہوتی ہے۔ اور قرآن کے تتمات سے۔" (البحرالمحیط، لابن حبان الاندلسی، والاتقان فی علوم القرآن للسیوطی، ۱۶۹/۳)

امام زرکشی کے نزدیک تفسیر کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ تفسیر ایسا علم ہے جس کے ذریعہ کتاب اللہ کی فہم، اس کے معانی کا بیان واحکام کا استخراج اور اس کے حکم کی معرفت حاصل ہو۔ اور علم تفسیر مندرجہ ذیل علوم پر موقوف ہے: علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم اصول فقہ اور علم قرأت۔ (البرھان فی علوم القرآن للزرکشی، ۱۴۸/۲، مکتبۃ درار التراث بالقاھرہ)

امام زرقانی کی تعریف یہ ہے کہ تفسیر ایسا علم جس میں فراد اللہ پر دال ہونے کی حیثیت سے طاقت بشریہ کے مطابق بحث کی جاتی ہے۔ (مناھل العرفان فی علوم القرآن للزرقانی ۴۰۶/۱۱ دارالحدیث بالقاھرہ)

اس کے علاوہ بعض علماء نے تفسیر کی تعریف اس طرح کی ہے کہ مندرجہ ذیل اشیاء کے جاننے کا نام علم تفسیر ہے: آیات

الاعتقاد

قرآنیہ کا شان نزول مع شئون واحوال واسباب نزول آیات مع قصص واسباب، مکی ومدنی سورتوں کا جاننا، آیات محکم ومتشابہ، ناسخ ومنسوخ، خاص و عام، مطلق ومقید، مجمل ومفسر، حلال و حرام، وعدہ وعید، اوامر ونواہی، عبر وامثال وغیرہ۔ (البرھان فی علوم القرآن للزرکشی، ۱۴۸/۲، الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی ۱۶۹/٤)

یہ تعریف جامع و مانع نہیں ہے دارسین علوم قرآن میں کسی نے بھی اس کی تائید نہیں کی ہے۔

مذکورہ بالا تعریفات مسطورہ میں سب سے زیادہ صحیح اور حسن تعریف امام ابوحیان اندلسی کی ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں: و اما فی الاصطلاح فلھم فیہ عبارات احسنھا قول ابی حیان الاندلسی۔(التحبیر فی علم التفسیر للامام السیوطی ۱۵)

امام ابوحیان کی تعریف اس لئے بھی احسن وافضل ہے کیونکہ یہ تعریف جنس وفعل پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ ان علوم پر بھی دال ہے جن کی علم تفسیر میں حاجت وضرورت ہوتی ہے جو کہ تعریف کی تحلیل سے ظاہر ہے۔

مسطورہ بالا جملہ تعریفات سے یہ امر آشکارا ہے کہ یہ تعریفات لفظاً اگرچہ مختلف ہیں لیکن معنیً پر سب متفق ہیں وہ یہ کہ: علم تفسیر ایسا علم جس کے ذریعہ قرآن کا فہم وادارت مکمل اور تمام ہوتا ہے، اس کے معنی مبین واحکام منکشف ہوتے ہیں اور آیات کے اشکال وغموض زائل ہو جائیں۔ یہ تعریف تمام تعریفات کو شامل ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ محمد حسین ذھبی سابق وزیر الاوقاف مصر تفسیر کی متعدد تعریفیں نقل کرنے کے بعد محو تحریر ہیں کہ یہ تمام تعریفات اس تعریف پر متفق ہوتی ہیں: ''علم تفسیر ایسا علم ہے جس میں طاقت بشری کے مطابق مراد اللہ سے بحث کی جاتی ہے۔ پس یہ تعریف ہر اس چیز کو شامل ہے جس پر فہم معنی اور بیان المراد موقوف ہوتا ہے۔''

یہ تھیں علم تفسیر کی متعدد تعریفات اور باحثین علوم قرآن کی آراء وتبصرے۔ اب ذیل میں تاویل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف ہدیہ قارئین ہے:

تاویل کی لغوی تعریف

: تاویل کے لغوی معنی کے متعلق علمائے علوم قرآن کے دو قول ہیں: اوّل یہ کہ تاویل ''اول'' سے ماخوذ ہے، دوم یہ کہ ''ایالۃ'' سے ماخوذ ہے۔ بر تقدیر اوّل اس کا معنی رجوع ہوگا مثلاً ال الشیء الی کذا' جب کہ شے اس کی جانب رجوع کرے۔ اس صورت میں تاویل کا معنی یہ ہوگا کہ: کلام کا ایسے معنی کی جانب لوٹانا جس کا وہ چند معنی میں احتمال رکھتا ہو اور اگر ''ایالۃ'' سے متفق مانا جائے تو تاویل کا معنی یہ ہوگا کہ مؤول کلام کو درست کرنا اور اس کے شایانِ شان مقام پر جگہ دینا۔

مفسرین کرام اور ماہرین علوم قرآن نے کلمہ ''تاویل'' کا استعمال متعدد طریقہ سے کیا ہے۔ علمائے متقدمین نے کلمہ ''تاویل'' کا استعمال دو معنوں میں کیا ہے: اوّل یہ کہ کلام کی تفسیر اور اس کے معنی کا بیان اور یہ تفسیر و بیان خواہ ظاہر کے موافق ہو یا مخالف۔ اس معنی کے اعتبار سے تفسیر اور تاویل متغایر اور مترادف دونوں ہوں گے۔ دوم یہ کہ تاویل کلام کے مراد کا نام ہے، کلام اگر طالب ہے اس کی تاویل نفس فعل

مطلوب ہوگی اور اگر خبر ہے تو اس کی تاویل وہ ہوگی جو مخبر بہ ہے۔

متاخرین علمائے قرآن کی اصطلاح میں تاویل کا معنی یہ ہے کہ کلام کا معنی راجح سے معنی مرجوح کی جانب پھیرنا اس دلیل کی بنا پر جو اس مرجوح سے ملی ہوئی ہے۔ اس میں ضروری ہے کہ ایسی کوئی دلیل تو موجود ہو جو اس بات پر دال ہو کہ کلام معنی راجح کی بجائے معنی مرجوح پر محمول ہے۔

تاویل اور تفسیر میں فرق:

دارسین علوم قرآن کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تفسیر اور تاویل ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں یعنی تاویل و تفسیر میں نسبت تباین ہے یا نسبت تساوی۔ امام ابوعبید قاسم بن سلام کا مذہب یہ ہے کہ تفسیر اور تاویل ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں دونوں میں نسبت تساوی ہے۔

امام راغب اصفہانی کا اس سلسلہ میں مذہب یہ ہے کہ تفسیر عام ہے اور تاویل خاص۔ اس لئے کہ تفسیر کا استعمال اکثر الفاظ میں ہوتا ہے اور تاویل کا استعمال معانی میں ہوتا ہے، تاویل کا استعمال کتب الٰہیہ اور تفسیر کا استعمال کتب الٰہیہ اور غیر الٰہیہ دونوں میں ہوتا ہے۔ تفسیر کا استعمال مفردات میں ہوتا ہے اور تاویل کا استعمال جملوں میں ہوتا ہے۔

بعض باحثین علوم قرآن کا قول ہے کہ تفسیر اور تاویل میں کوئی فرق نہیں دونوں ایک ہیں۔ امام بغوی نے کہا تاویل یہ ہے کہ آیت کا ایسے معنی محتمل کی جانب لوٹانا جو ماقبل اور مابعد کے موافق ہو اور کتاب و سنت کے استنباط کے طریقہ کے مخالف نہ ہو۔ اور تفسیر یہ ہے کہ جو آیت کے سبب نزول، اس کی کیفیت و حالت اور قصص پر واقع ہو۔

مفسرین کرام کی ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ جو کتاب اللہ میں مبیّن اور صحیح السنۃ میں معین ہو اس کا نام تفسیر ہے اور مفسرین نے جس کا استنباط کیا ہو وہ تاویل ہے اس کے علاوہ اور بہت سے اقوال ہیں جو تفسیر و تاویل کے تغایر پر دال ہیں۔

تفسیر کی اقسام:

اقسام تفسیر کے سلسلہ میں باحثین علوم قرآن کی مختلف آراء ہیں تفسیر کی بعض قسمیں سلف صالحین کی جانب رجوع کرتی ہیں اور بعض قسمیں علمائے معاصرین کی جانب رجوع کرتی ہیں اس وجہ سے تقسیم کی جہتیں مختلف ہو کر مختلف زاویوں میں مختلف ہو گئیں۔ سب سے پہلی تقسیم وہ ہے جو خیر الامہ امام المفسرین سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کی ہے۔ آپؓ نے تفسیر کی چار قسمیں کی ہیں:

(۱) جس کو اہلِ عرب اپنے کلام اور عرف میں پہچانتے اور جانتے ہیں۔ (۲) جس کے عدم علوم پر کوئی معذور نہ ہوگا۔ (۳) جس کو خاص ماہرین علوم قرآن ہی جانتے ہیں۔ (۴) جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو اس کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہے۔

دوسری تقسیم وہ ہے جس کو معاصر علمائے کرام نے کیا ہے ان اسالیب کے اعتبار سے جن کو مفسرین کرام نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔ یہ تقسیم چار قسموں پر مشتمل ہے:

(۱) تفسیر تحلیلی (۲) تفسیر اجمالی (۳) تفسیر مقارن (۴) تفسیر موضوعی۔

الاعتقاد

اس کے علاوہ ایک تیسری تقسیم ہے جو دور اور بحث کے اعتبار سے نہایت ہی معتبر ہے اور اسی تقسیم کے اعتبار سے مفسرین نے اپنی مؤلفات کو ترتیب دیا ہے۔ یہ تین قسموں پر مشتمل ہے:

(۱) تفسیر بالروایۃ، جس کو ''تفسیر بالماثور'' بھی کہتے ہیں۔
(۲) تفسیر بالدرایۃ، جس کو ''تفسیر بالرائ'' بھی کہتے ہیں۔
(۳) تفسیر بالاشارۃ، جس کو ''تفسیر الاشاری'' بھی کہتے ہیں۔

تفسیر بالماثور:

ماثور، اثر سے اسم مفعول ہے جس کے معنی ''کسی غیر سے خبر نقل کرنا'' ہے۔ علامہ ابن منظور نے کہا ہے: ''اثر شے کے بقا کا نام ہے''۔ اور اس خبر کا جو غیر سے منقول ہو اور تفسیر بالماثور میں ماثور سے یہی لغوی معنی مراد ہے۔ مفسرین کی اصطلاح کا دائرہ محدود ہے، مطلق نہیں ہے۔ مفسرین کرام کے نزدیک تفسیر بالماثور کی اصطلاح یہ ہے کہ آیاتِ قرآنیہ میں سے کسی بھی آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کرنا جو اس سے زیادہ واضح اور مفصل ہو یا ایک آیت کی تفسیر حدیث نبوی ﷺ سے کرنا۔ یا آیت کی تفسیر ان روایات سے کرنا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ یا عادل وضابط تابعین عظامؒ سے منقول ہو اور تفسیر میں آیت کی شرح، وضاحت اور اسباب نزول کا ذکر و بیان ہو کہ یہ آیت کب اور کیوں کن احوال وکوائف میں نازل ہوئی۔ لہٰذا مفسرین کی اصطلاح میں تفسیر بالماثور کا دائرہ اتنا ہی وسیع ہے: (۱) تفسیر القرآن بالقرآن (۲) تفسیر القرآن بالسنۃ (۳) تفسیر القرآن عن الصحابۃؓ (۴) تفسیر القرآن عن التابعینؒ۔

وجہ حصر یہ ہے کہ تفسیر بالماثور یا تو ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت سے ہوگی جو کہ پہلی سے زیادہ مفصل اور واضح ہو، اس صورت میں اللہ اپنی مراد خوب جانتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک آیت کی تفسیر اگر دوسری آیت سے نہ ہوگی تو کلام رسول ﷺ اس کا مفسر ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے بعد قرآن کی معرفت اور مراد سب سے بہتر آپ ﷺ ہی جانتے ہیں اور کلامِ الٰہی کے معنی و بیان کو واضح کرنے والے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ وَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ o [النحل:۴۴]۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر آیت کی تفسیر دوسری آیت کی تفسیر دوسری آیت یا کلام رسول ﷺ نہیں ہے تو اس آیت کی تفسیر اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہوگی کیونکہ یہ وہ مقدس جماعت ہے جس نے بلا واسطہ مشکوٰۃ نبوت سے اکتساب فیض اور اخذ علم کیا اور قرآن کے معنی و مفہوم کو بچشم سر ملاحظہ کیا اور یہ جماعت اصل لسان اہلِ زبان سے نزول قرآن کے عینی شاہدین و ناظرین ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

تفسیر القرآن بالسنۃ کی مثالیں:

(۱) امام ترمذیؒ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا کہ: اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ'' سے یہود مراد ہیں اور ''وَلَا الضَّآلِّیۡنَ'' سے نصاریٰ مراد ہیں۔

(۲) امام بخاریؒ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: بروزِ قیامت حضرت نوح علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپؑ سے

فرمائے گا: اے نوح علیہ السلام! کیا تم نے اپنی قوم میں دین کی تبلیغ کی تھی؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے: یااللہ! تیرے حکم سے روگردانی کی تاب نہیں ہے، میں نے تیرا حکم اپنی قوم کو پہنچایا اور انہیں عبادتِ خدا کی دعوت دی۔ پھر اللہ تعالیٰ قوم نوح سے مخاطب ہوگا: اے قوم نوح! کیا تم تک کوئی نبی و رسول اور مبلغ و داعی پہنچا تھا جس نے تم کو میری عبادت کی دعوت دی ہو؟ تو قوم نوح کہے گی: یااللہ! ہم تک کوئی نذیر یا داعی نہیں پہنچا جو ہم کو تیرے دین کی دعوت دیتا اور تیرے عتاب و نار سے ہم کو ڈرایا۔ اللہ تعالیٰ حضرت نوح علیہ السلام سے فرمائے گا: تم اپنے قول کا ثبوت پیش کرو؟ حضرت نوح علیہ السلام امت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطورِ گواہ پیش کریں گے اور امت کی گواہی میں دوں گا۔ یہ حدیث شریف اس آیت کی تفسیر ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ط ......

[البقرہ:۱۴۳] (ترجمہ: اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہو، ....[عرفان القرآن])

یہ بات ذہن نشین رہے کہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن کی شارح اور مفسر نہیں ہیں بلکہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ ایسے کام بھی ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں؛ مثلاً جن جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے ان کا ذکر سورہ نساء کی آیات ۲۲ تا ۲۵ میں ہے لیکن اُن کے علاوہ اور بھی کچھ عورتیں ہیں جن کے ساتھ نکاح حرام ہے مگر ان کا ذکر قرآن میں نہیں ہے بلکہ حدیث میں ہے۔ قرآن میں جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام قرار دیا گیا ہے وہ ہیں: ماں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجی، بھانجی، رضاعی ماں، رضاعی بہنیں، ساس، بیوی کی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہو۔ وغیرہ۔ اور وہ عورتیں جن کا ذکر حدیث میں ہے: بھتیجی اور پھوپھی کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا۔ اسی طرح صدقۂ فطر، زانی محصن کو رجم کرنا، جدہ کو میراث دینا، شاہد اور یمین کا حکم، شکاری پرندہ اور درندہ جانوروں کی تحریم، پالتو گدھوں کی تحریم کا ذکر قرآن میں نہیں ہے بلکہ حدیث سے ثابت ہیں۔

تفسیر بالماثور کے مصادر و مراجع: تفسیر بالماثور کے انواع ثلثہ میں محدود و منحصر ہونے کی وجہ سے یہ بات معلوم بلکہ واضح ہو جاتی ہے کہ تفسیر بالماثور کے مصادر و ماخذ بھی تین ہیں:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اقوال اصحاب رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب اللہ: تفسیر بالماثور کا پہلا مصدر و ماخذ قرآن ہے یعنی قرآن کی ایک آیت جو کہ مجمل ہے کسی دوسری آیت میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہو یا مطلق کو مقید کرنا وغیرہ پس آیت کی تفسیر کسی دوسری آیت سے بیان کرنا تفسیر بالماثور کا مصدر اول ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

تفسیر القرآن بالقرآن کی چند مثالیں:

(۱) آیت کریمہ **مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ** میں "**يَوْمِ الدِّيْنِ**" کی تفسیر و تفصیل اس آیت میں مذکور نہیں ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ اس کی تفسیر ایک دوسری آیت کریمہ میں وارد ہے: **وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ o ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ o**

الاعتقاد

یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡئًا ؕ وَ الۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِo سورہ فاتحہ میں مذکور "یَوۡمِ الدِّیۡنِ" کا تفصیلی بیان سورہ انفطار کی اِن آیات میں موجود ہے۔ یہ تینوں آیتیں مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔

(۲) آیت کریمہ "اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَo صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۵ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ o ان آیات میں منعم علیہ جماعت کا ذکر نہیں ہے اس سلسلہ میں یہ آیتیں مجمل ہیں کہ وہ کون سی جماعت ہے جس پر رب تعالیٰ کا انعام نازل ہوا اور ان کے راستہ کو راہِ ہدایت فرمایا گیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر دوسری آیت میں وارد ہے: وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًاo [النساء:۶۹]۔

(۳) آیتِ کریمہ "فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُo [البقرہ:۳۷]" اس آیت میں ان کلمات کا ذکر نہیں ہے جن کے ذریعہ آدم علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کی مگر سورہ اعراف کی آیت ۲۳ میں ان کلمات کا ذکر ہے اور یہ آیت کریمہ اس کی تفسیر و بیان ہے: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمۡنَاۤ اَنۡفُسَنَا ٜ وَ اِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَ تَرۡحَمۡنَا لَنَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَo

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

تفسیر بالماثور کا مصدر ثانی سنت یعنی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے بلفظ دیگر تفسیر القرآن بالسنۃ، یعنی جب کسی ایک آیت کی تفسیر دوسری آیت میں نہ ہو تو اس آیت کی تفسیر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کریں گے اس لئے کہ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی شارح ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:.....وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ ...... [النحل:۴۴]

تفسیر القرآن بالسنۃ کا ثبوت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے معاذ (رضی اللہ عنہ)! تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ آپؓ نے کہا: کتاب اللہ کے ذریعہ فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر صراحتاً کوئی حکم کتاب اللہ میں نہ پاؤ گے تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟ آپؓ نے کہا: حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کروں گا۔ اس حدیث سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ احادیث کریمہ قرآن کی موضح و شارح ہیں۔

تفسیر القرآن عن اقوال الصحابہ رضی اللہ عنہم:

تفسیر بالماثور کا تیسرا مصدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں اس لئے کہ جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم وہ مقدس گروہ ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ قرآن کو سمجھنے والی اور اس پر عمل کرنے والی ہے جس نے نزول قرآن اور سبب نزول آیات قرآن سب سے زیادہ بہتر سمجھا اور لوگوں کے سامنے پیش کیا اسی لئے اگر آیت کی تفسیر دوسری آیت کی تفسیر کی جائے گی۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہدایت و رہنمائی کا منارۂ نور ہیں اور مرجع رشد و ہدایت ہیں۔ اسی جماعت کی شان میں یہ ارشاد عالیشان صادر ہوا ہے: اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم او کما قال۔

تفسیر بالرائ: تفسیر بالماثور کے بعد تفسیر کی دوسری قسم "تفسیر

الاعتقاد

بالرائ'' ہے۔تفاسیرقرآن کے جملہ مصادر میں ''مصدرِرائے'' ایک اہم حیثیت کا حامل ہے۔ وہ اس لئے کہ جملہ ماثور و مرویات صحیح نہیں ہیں بلکہ ان میں بعض ضعیف اور بعض منکر وغیرہ ہیں۔جتنی مرویات واحادیث صحیح ہیں وہ پورے قرآن کی تفسیر کوشامل نہیں ہیں لہٰذا پورے قرآن کی تقسیم کے لئے رائے اور اجتہاد کی ضرورت و حاجت ہے کیونکہ بغیر اس کے تفسیر نامکمل ہے۔ یہ رائے کبھی اُنہی مرویات کوترتیب دے کرحاصل ہوتی ہے اور کبھی موقع ومحل کی مناسبت کی بناء پرسابق حکم کا نفاذ کردیا جاتا ہے لہٰذا اب یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ تفسیر بالرائے کیا ہے؟ اس کا منہج ورواج عہد اول میں ایسا نہیں تھا جیسا کہ عہدِ اخیر میں یہ منہج رواج پا گیا کیونکہ اگر ہم اس دور سے پہلے دور کا مطالعہ کریں جس میں تفسیر پر بہت بڑا کام ہوا یعنی حضرت امام جعفر محمد ابن جریر طبریؒ نے قرآن کی تفسیر کو اکٹھا کیا اور اس کو ایک مستقل علم کا درجہ دیا اس سے پہلے تفسیر کوئی مستقل علم نہ تھا بلکہ کتب حدیث میں ابواب التفاسیر یا کتاب التفسیر کے نام سے ایک موضوع ہوا کرتا تھا۔ امام طبریؒ سے پہلے والے دور میں جب ہم تفسیر کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی مفسرین کرام ''رائے'' کا استعمال فرماتے تھے اور اجتہاد فی التفسیر سے کام لیتے تھے لیکن اس دور کے علمائے کرام کے تعلق سے یہ بات ذہن نشین رہے کہ ان کے اجتہاد و رائے کا وہ منہج نہیں تھا جو دورِ اخیر میں تھا ان کا اجتہاد قرآن وحدیث کی روشنی اور علوم قرآن کے اصول صحیحہ وضوابط سلیمہ پر مبنی تھا جو منارۂ رشد و ہدایت تھا، اپنی ذاتی آراء اور ہوائے نفس اس کا شیوہ نہ تھا جیسا کہ دورِ اخیر میں سرسید احمد خان اور سید ابوالاعلیٰ مودودی وغیرہ نے کیا، اپنی ذاتی آراء اور ناقص مجتہدانہ شان کو دخل دے بیٹھے۔ دورِ اول کے مفسرین کا اجتہاد اور ان کی رائے صرف احادیث صحیحہ اور ماثور کی توضیح ہوتی تھی بلکہ ان کا منہج تھا، احادیث میں تطبیق پیدا کرنا، بعض کو بعض پر ترجیح دینا، ضعیف روایات کا رد کرنا، آثار صحیحہ کی روشنی میں آیت کریمہ کی شرح وتوضیح کرنا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن دورِ اخیر میں قرآن کی تفسیر میں رائے اور اجتہاد کا مجال شیئاً فشیئاً وسیع ہوتا گیا یہاں تک کہ تفسیر میں رائے اور اجتہاد کا دائرہ اتنا وسیع ہوا کہ آثار صحیحہ سے نکل گیا۔ دورِ اخیر میں جس رائے کو استعمال کیا گیا وہ ذاتی رائے تھی اور یہ اجتہاد، اجتہاد فی الخطا تھا جو آثار ومرویات کے دائرہ سے بہت دور تھا بالخصوص اس دور میں جبکہ اسلام مختلف فرق باطلہ مثلاً خارجی، شیعہ، مرجئہ اور معتزلہ وغیرہ کا ظہور ہوا۔ اور ہر فرقہ قرآن کی تفسیر اور اس کا بیان اپنی شخصی رائے اور ذاتی خیال کے مطابق کرنے لگا یعنی قرآن کی توضیح وتفسیر وہی ہے جو اُن کے مذہب وآراء اور باطل خیالات کوتقویت دے۔

لہٰذا دونوں مجال؛ مجال سابق اور مجال قادم میں نور ونار کا فرق ہوگیا۔

لغت میں رائے کا اطلاق اعتقاد، اجتہاد اور قیاس وغیرہ پر ہوتا ہے۔ اسی سے اصحابِ رائے ہے یعنی اصحابِ قیاس، یہاں ماہرین علوم قرآن کے نزدیک رائے سے اجتہاد مراد ہے۔لہٰذا تفسیر بالرائے کا معنی یہ ہوگا کہ اگر مفسر کلام عرب کی معرفت کا حامل تو بذریعہ اجتہاد قرآن کی تفسیر کرنا۔ مفسر، الفاظ عربی اور ان کے وجوہ دلالت اور ان جملہ ادوات تفسیر سے

الاعتقاد

واقفیت رکھتا ہو جو بوقت تفسیر ایک مفسر کے لئے لازم وضروری ہیں۔لہٰذا یہاں رائے سے مراد وہ اجتہاد ہے جو اصول صحیحہ اور قواعد سلیمہ پر مبنی ہو نہ کہ خالص رائے و اجتہاد اور خواطر قلبیہ پر۔

متقدمین ومتاخرین ماہرین علوم قرآن اور باحثین تفسیر کے درمیان یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ قرآن کی تفسیر جائز ہے یا نہیں لہٰذا تفسیر کی پہلی قسم یعنی تفسیر بالماثور کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے وہ متفق علیہ مسئلہ ہے کیونکہ اس کا صدور خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے لہٰذا اس کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔علمائے قرآن کا اختلاف تفسیر بالرائ کے جواز اور عدم جواز میں ہے۔اس سلسلہ میں دارسین علوم قرآن اور مفسرین کرام کے دو گروہ ہیں ایک جواز کا قائل ہے اور دوسرا گروہ عدم جواز کا قائل ہے۔مانعین تفسیر بالرائ اپنے موقف کی تائید میں کتاب وسنت، آثار صحابہؓ و تابعینؒ اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں۔

(۱) کتاب اللہ: وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡهِمۡ وَ لَعَلَّهُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ o [النحل:۴۴]

یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بیان کو حضور ﷺ کے لئے خاص فرمایا ہے۔جب بیان قرآن آپ ﷺ کے لئے خاص ہے تو کوئی دوسرا بیان قرآن کی جرأت نہیں کرسکتا۔

(۲) مانعین تفسیر بالرائ حدیث سے استدلال کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے: حضور ﷺ نے فرمایا: من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعده من النار۔جس شخص نے بغیر علم قرآن میں کچھ کہا تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(۳) امام زرقانی قیاس اقترانی سے تفسیر بالرائ کے عدم جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ تفسیر بالرائ بغیر علم اللہ تعالیٰ پر قول کرنا ہے اور بغیر علم القول علی الله منهی عنه ہے لہٰذا تفسیر بالرائ منہی عنہ ہے۔

(۴) اس سلسلہ میں آثار تابعینؒ بھی ہیں۔حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ قرآن میں اپنی معلومات کے ذریعہ تفسیر نہیں کرتے تھے۔

حضرت مسروقؒ کا قول ہے کہ تفسیر بالرائے سے بچو۔قرآن اللہ کی کتاب ہے۔مانعین تفسیر بالرائے کے ان دلائل پر ایک تفصیلی مناقشہ مطلوب ہے مگر بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔بغیر کسی تبصرہ اور بحث ومباحثہ کے مجوزین تفسیر بالرائے کے دلائل ہدایہ قارئین ہیں:

(۱) کتاب اللہ:

۱) کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَیۡکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوۡۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ o [ص:۲۹]

۲) وَلَوۡ رَدُّوۡهُ اِلَی الرَّسُوۡلِ وَ اِلٰۤی اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡهُمۡ لَعَلِمَهُ الَّذِیۡنَ یَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَهٗ مِنۡهُمۡ ؕ [النساء:۸۳]

۳) اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُهَا o [محمد:۲۴]

وجہ دلالت یہ ہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے تدبر فی القرآن پر ابھارا ہے جو اس بات پر اشعار ہے کہ تفسیر بالرائے جائز ہے۔

(۲) سنت:

الاعتقاد

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث موقوف مروی ہے:حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:لا یفقہ الرجل کل الفقه حتی یری للقرآن وجوھا کثیرۃ ۔اور ایک دوسری حدیث شریف جس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں یہ دعا فرمائی:اللّٰھم فقھہ فی الدین و علمه التاویل۔

اگر تاویل صرف نقل پر مقصود ہوتی اور اس میں رائے کو کوئی دخل نہ ہوتا تو اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کیا تخصیص ہے۔لہٰذا پتہ چلا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے جو دعا فرمائی وہ امر آخر ہے نقل وسماع کے علاوہ۔ اور یہی تفسیر بالرائے والا اجتہاد ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور اس منہج پر تفسیر بالرائے جائز ہے۔اس کے علاوہ آثار صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ یہ نفوس قدسیہ قرآن میں اجتہاد فرماتے تھے اور تفسیر میں اپنی آراء پر عمل کرتے تھے جیسا کہ تفسیر القرآن عن اقوال الصحابہ و التابعین اس باب میں ایک روشن ثبوت اور زندہ جاوید مثال ہے۔

فریقین کے آراء اور استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ تفسیر بالرائے حرام وناجئز ہے جو قرآن وحدیث کے مخالف ہو اور جو موافق ہو وہ جائز ہے اسی وجہ سے تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ہیں:

(۱)تفسیر بالرائ المحمود(۲)تفسیر بالرائ المذموم

تفسیر بالرائ المحمود یہ ہے کہ جو اصول علمیہ ضوابطِ سلیمہ قواعدِ صحیحہ پر مستند ہو،جس میں لغت عرب کی رعایت ہو،شرع مطہر کے موافق ہو،قرآن و حدیث اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم آثار تابعین رضی اللہ عنہم کی روشنی میں ہو۔اللہ رب العزت نے قرآن کی جن آیات میں تدبر وتفکر کے لئے ابھارا ہے ان میں اسی طرف اشارہ ہے۔مثلاً اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا o [محمد:۲۴]۔اس بات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تفسیر بالرائ المحمود اس معنی کے مطابق جائز ہے بلکہ ضروریات دین سے ہے۔

تفسیر بالرائ المذموم یہ ہے کہ جو ذاتی آراء اور شخصی خیالات پر مبنی ہو جس کا مقصد فرق باطلہ (گمراہ فرقوں) کی فاسد آراء کو تقویت دینا ہو،قرآن وحدیث کی روح سے خالی ہو کر مادہ پرست اور احوال ومشاہدات کی روشنی میں ہو،جس میں کتاب وسنت کے قدیم ذخیرہ کے بجائے جدید مغربی لٹریچر کا سہارا لیا گیا ہو۔ ....حاصلِ کلام یہ ہے کہ تفسیر بالرائ کے جواز وعدم جواز کی اساس اور بنیاد یہ ہے کہ علم اور عدم علم۔

دورانِ تحریر اگر کوئی غلطی واقع ہوگئی ہو تو کبار علمائے اہل سنت اور ماہرین علوم قرآن سے اصلاح کی درخواست ہے۔ یہ سطور شعبۂ تفسیر کے ادنیٰ طالبِ علم کی جانب سے آپ کی بارگاہ علم وفضل میں بطور تصحیح پیش ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(بشکریہ ماہنامہ کنزالایمان، دہلی: ستمبر ۲۰۰۶) ☆☆☆

قرآن مقدس کے اعجاز واکرام

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآن زیستن

کلامِ الٰہی وہ طاقت لازوال ہے اگر دنیا کا کوئی انسان اس پر صحیح طریقہ سے عمل پیرا ہو جائے تو بلا شُبہ جہالت و ضلالت کے پھندے نکل کر صراطِ مستقیم پر گامزن ہوسکتا ہے۔ قرآن کریم اپنے اندر وہ نسخہ کیمیا رکھتا ہے جس نے سُنا اس سے وابستہ ہوا۔ پس اس کے دل کی دُنیا بدل گئی اور وہ نُورِ اسلام سے مشرف ہوا۔ دین کی حلاوت اور لذّت اس کے دل میں پیوست ہوگئی یہاں تک کہ دُنیا کی طاقت اس کو کمزور نہ کرسکی۔

آج اگر ان نازک حلات میں امت مسلمہ کیلئے کوئی چیز کافی وشافی ہے، دُنیا کے بڑے لوگون میں انقلاب لانے والی کوئی کتاب دنیا میں موجود ہے تو وہ صرف قرآن مجید ہے۔ قرآن کی شان تو یہ ہے کہ عزت کرنے والے کو تحت الثریٰ سے نکال کر ثریا تک پہونچا دیتا ہے اور بے عزتی کرنے والے کو قعرِ مذّلت میں گرا دیتا ہے۔ قرآن مجید عبد اور معبود کے رشتے کو خوشگوار کر دیتا ہے۔ اور دونوں جہانوں کی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے۔ قرآن کریم ایسا دلکش مرقع اور منبع رُشد وہدایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا بہادر انسان، جس کا رعب و دبدبہ پورے ملک عرب پر چھایا ہوا تھا، جب (العیاذ باللہ) نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے ارادہ سے گھر نکلا تھا اور راستے میں بہن اور بہنوئی کے اسلام لانے کی خبر سُنی تو آگ بگولہ ہوکر بہن کے گھر پہنچے اور غصے میں آکر بہن بہنوئی کی زبردست مار پیٹ کی یہاں تک کہ انہیں لہولہان کر دیا۔ مگر اِس کی بہن فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کی ایمانی قوت جوش میں آگئی اور بلا کسی تردد کے کہنے لگی: عمرؓ! پہلے تم وہ کلام سن لو اگر اچھا لگے تو ٹھیک ورنہ مجھے قتل کر دینا۔ بہنوئی نے جلدی سے سورہ طٰہٰ کا پہلا رکوع سنایا۔ کلام اللہ کی سریلی آواز جونہی حضرت عمرؓ کے کانوں میں پہنچی تو اُن کا دل موم ہوگیا۔ قرآن مجید کی دلفریب آواز سے متاثر ہوکر بے ساختہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ غرض حضرت عمرؓ اُسی وقت نبی رحمت ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان لائے۔ تعجب تو یہ ہے کہ جو گھر سے رسول اللہ ﷺ کا وجود پاک (نعوذ باللہ) ختم کرنے کے ارادہ سے نکلا وہی نثار اور فدا کار بنا۔ آپؓ کا دل ایسا سرشار ہوا کہ آج انہیں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اپنوں ہی نہیں بلکہ دشمنانِ اسلام نے بھی انہیں تسلیم کیا۔

قرآن مجید ایک مکمل نظام حیات اور دستورِ زندگی ہے جو دنیا کے لوگوں کو جینے کا سلیقہ اور رہنے کا طریقہ بتلایا ہے۔ یہ ایسی جلیل القدر کتاب ہے۔ جو اپنے معانی ومطالب کے اعتبار سے بحرِ ذخّار ہے۔ آسمانی صحائف میں قرآنِ کریم ہی وہ کتاب ہے جس کی ابدی روشنی نوعِ انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔ انسان کے اجتماعی وانفرادی زندگی کے قوانین کو بتلا کر منصبِ عظمیٰ پر فائز کرتی ہے۔ قرآن پاک پوری نسل انسانی کے لئے ہدایت بن کر آیا ہے، پوری انسانی برداری کو اخلاق فاضلہ، صفات کاملہ اور فضائل محمودہ کی تعلیم دیتا ہے۔ والدین کے بارے میں یوں ہدایت دیتا ہے: وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ [الاسراء: ٢٤] (ترجمہ: اور ان دونوں کے لئے نرم دلی سے عجز وانکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے

الاعتقاد

حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت وشفقت سے) پالا تھا۔[عرفان القرآن])

قرآن پاک وہ بحر بیکراں ہے کہ جس کے اندر ہر قسم کے مضامین عالیہ و معانی نادرہ پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جس کا احاطہ قرآن پاک نے نہ کیا ہو۔ اس لافانی کتاب کے مقابلے میں آج تک دنیا میں نہ کوئی کتاب آئی۔ اور نہ کسی شخص نے اس جیسا کلام ہی پیش کیا۔ بلکہ قرآن پاک نے بہ بانگ دہل اعلان کر دیا: قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا o [الاسراء: ۸۸] (ترجمہ: فرما دیجیے: اگر تمام انسان اور جنات اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس قرآن کے مثل (کوئی دوسرا کلام بنا) لائیں گے تو (بھی) وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔[عرفان القرآن])۔ پھر چیلنج دیا اس جیسی دس سورتیں ہی بنا لاویں۔ اس پر بھی کوئی جواب نہ آیا۔ تو ایک سورت کو کہا وہ بھی نہ لا سکے۔ آج تک کوئی مائی کا لال جواب نہ دے سکا۔

قرآن پاک کا یہی اعجاز ہے کہ جیسا لوح محفوظ سے اُترا آج بھی حفاظ کے سینوں میں اُسی طرح محفوظ ہے۔ باری تعالیٰ نے خود ہی اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ o [الحجر: ۹] (ترجمہ: بیشک یہ ذکرِ عظیم (قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔[عرفان القرآن])۔

قرآن مجید ایک جامع اور مکمل دستور حیات ہے۔ اس کی صداقت کے سامنے دُنیا کے بڑے بڑے مفکروں اور دانشوروں نے سر تسلیم خم کیا۔ دنیا کے لاکھوں قوانین بدلے، صدیاں گذریں لیکن جو قانونِ الٰہی ہے اور بنی نوع انسان کے لئے دائمی طور آیا ہے۔ اپنی جگہ مستحکم اور اپنے مقام پر اٹل ہے۔ اس کے نزول کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو واضح طور پر فرمایا:.......اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط .....[المائدہ: ۳] (ترجمہ:........آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا.......[عرفان القرآن])۔ آپ ﷺ خاتم النبین اور خاتم المرسلین ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی کتاب آئے گی۔

قاضی عیاضؒ شفاء شریف میں لکھتے ہیں کہ باعتبار بلاغت کے قرآن مجید میں سات ہزار سے زیادہ معجزے ہیں۔ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ اِن الذی لیس فی جوفہ شیءٍ من القرآن کالبیت الخراب (رواہ ترمذی) ترجمہ: عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جس شخص کے قلب میں قرآن شریف کا کوئی حصہ بھی محفوظ ہیں وہ بمنزلہ ویران گھر

ہے۔

معجزہ کے بارے میں علامہ سیوطیؒ ''اتقان'' میں یوں فرماتے ہیں:۔''و ھی اِما حسیّۃوَ اِما عقلیہ و اکثر معجزات بنی اسرائیل کانت حسیّۃ لِبلاد تھم و قلۃ بصارتھم و اکثر معجزات ھذاہ الامۃ عقلیہ لفرط ذکاھم و کمال افھامھم ''یعنی معجزہ دو قسم کے ہیں: ایک تو وہ معجزہ ہے کہ جس کا ظاہری حواس کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور بنی اسرائیل کے اکثر معجزات ان کی کم عقل وفہم کی بنا پر حسی ہی تھے۔اور اِس اُمت کے اکثر معجزات عقلی ہیں کیونکہ یہ اُمت فہم وفراست اور بصیرت و بصارت میں بہت آگے ہے۔اس لئے قرآن جیسا معجزہ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا تا کہ آپ ﷺ دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی آنے والے عقل منداور منصف مزاج انسان قرآن مجید کی عبارت اور پاکیزہ تعلیمات پر غور و فکر کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔علامہ اقبالؒ یوں اس کی تصویر کھینچتے ہیں:

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست
زیرگردوں سرِ تمکین تو چیست؟
آن کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم
نسخہ اسرار تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
حرف او لاریب نے تبدیل نے
آیہ اش شرمندہ تاویل نے
نوعِ انسان را پیام آخریں
حامل او رحمۃ للعالمین ﷺ

یعنی مسلمان کا آئین اس کی بقا وثبات کا ضامن قرآن حکیم ہے۔جس میں لازوال وابدی حکمتوں کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔اس سے زندگی کو استحکام ملتا ہے۔اس میں ذرہ بھر شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے نہ اُس کی آیات میں تبدیلی ہو سکتی ہے نہ اُن کی غلط تاویل ممکن ہے۔نوعِ انسان کے لئے یہ خداوند کریم کا آخری پیغام اور اس کے لانے والے سارے عالموں کے لئے رحمت بنا کے بھیجے گئے ہیں۔

آخر پر راقم علمدار کشمیر شیخ العالم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے اس مقالہ کا اختتام کرتا ہوں:

قرآن پَران کونو مُودکھ
قرآن پَران گوینو سُور
قرآن پران زندٕ رِکتھ رُودکھ
قرآن پَران دود منصور
قرآن پَران بے غم رُودکھ
یامت فری اگہہ ہتو ژور
یَمو پور قرآن تِمو شب روز وودکھ
وَدان وَدان گوکھ أچھَن نُور

☆☆☆☆☆

قرآن مجید اور ختم نبوت

علامہ قاری محمد ریاض احمد فاروقی (پاکستان)

رب کائنات نے جب گلشن ہستی کو آباد کیا تو اس میں ہنگامہ زندگی برپا کرنے کے لیے اپنی سب سے احسن تخلیق انسان کو اس میں بسایا اور اس کے ساتھ ساتھ انسانوں کی تعلیم و تربیت اور رشد و ہدایت کے لیے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ یہ گراں قدر ہستیاں مختلف اوقات میں مختلف ادوار میں، مختلف مقامات پر تشریف لاتی رہیں اور انسانیت کی رہبری کا فریضہ عظیم سر انجام دیتی رہیں۔ نبوت کا یہ روشن سلسلہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور سید البشر جناب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ختم ہو گیا۔ اس بزم گیتی میں سب سے پہلے نبی آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے نبی کوئی نہیں اور خاتم ﷺ کے بعد نبی کوئی نہیں۔ دینِ اسلام میں اس عقیدے کو 'عقیدۂ ختم نبوت' کہا جاتا ہے۔ دین اسلام کی رفیع الشان عمارت اسی عقیدہ کی بنیاد پر کھڑی ہے۔ دین اسلام کا مرکز و محور یہی عقیدہ ہے اور دین اسلام کی روح و جان یہی عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ میں معمولی سی لچک یا جھول انسان کو ایمان کی رفعتوں سے گرا کر کفر کی پستیوں میں پٹخ دیتی ہے۔ عقیدہ ختم نبوت اس اہمیت و حیثیت کا حامل ہے کہ قرآن مجید ایک سو مرتبہ خاتم النبین ﷺ کی ختم نبوت کا اعلان کر رہا ہے اور صاحبِ قرآن ﷺ دو سو مرتبہ سے زائد اپنی زبانِ نبوت سے اس عقیدے کی حقانیت پر گواہی دے رہے ہیں۔

اب ہم قرآن پاک کی چند آیات سے مسئلہ ختم نبوت ثابت کرتے ہیں:

اعلانِ ختم نبوت: اللہ رب العزت نے اپنے آخری نبی ﷺ کو تخت ختم نبوت پر بٹھا کر آپ ﷺ کے سر اقدس پر تاج ختم نبوت سجا کر اور کائنات کی فضاؤں میں خاتم النّبین کا پرچم لہرا کر آپ ﷺ کی ختم نبوت کا اعلان یوں کر رہے ہیں:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۝ (الاحزاب:۴۰)

ترجمہ: ''نہیں ہیں محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ لیکن آپ ﷺ اللہ کے رسول اور تمام انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا۔''

جب ہم مندرجہ بالا آیت کی گہرائی میں جاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ زبان عرب میں خاتَم یا خاتِم کا لفظ جب کسی قوم یا جماعت کی طرف مضاف ہو تو اس کے معنی آخری اور ختم کرنے والا ہی ہوتا ہے، اس کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں ملتا۔ جیسا کہ عربی زبان کی ضخیم اور مستند لغت کی کتاب 'لسان العرب' میں لکھا ہے:

ختام القوم و خاتمهم و خاتمهم ختام القوم خاتَم القوم (ت کے زبر سے) اور خاتم القوم اخرهم۔

لغت کی مشہور کتاب 'تاج العروس' میں ہے کہ: و من اسمائه علیه السلام الخاتم والخاتم و هو الذی ختم النبوة بمجیئه اور حضور ﷺ کے ناموں میں سے خاتم اور خاتم ہے۔ اور وہ ذات اقدس ہے جس نے آکر نبوت ختم کر دی۔

خاتَم کا مادہ ختم ہے۔ ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے۔ اس کے دوسرے معنی کسی چیز کو بند کر کے اس پر مہر لگانے کے ہیں جو اس بات کی علامت

الاعتقاد

ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکل سکتی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اندر جا سکتی ہے۔

حضور خاتم الانبیاء ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، محدثینؒ، مفسرینؒ اور اکابرینِ امت نے خاتم النّبیین کے معنی آخری نبی کے کیے ہیں کہ جن کے بعد اور کوئی نبی پیدا نہ ہو۔

تکمیل دین: عرفات کا وسیع و عریض میدان، حجۃ الوداع کا مبارک موقع، جمعہ کا مبارک دن اور ختم نبوت کے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پروانے جمع تھے۔ نبیوں کے سردار، ختم نبوت کے تاجدار جناب محمد رسول اللہ ﷺ بھی ان پروانوں کے جھرمٹ میں جلوہ افروز تھے اور تاریخ میں انقلاب برپا کر دینے والا خطاب فرما رہے تھے۔ انسانیت کو دستورِ حیات عطا کر رہے تھے کہ ملائکہ کے سردار اور وحی کے پیامبر جناب جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر حاضر ہو جاتے ہیں:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط (المائدہ:۳)

یہ آیتِ کریمہ اس بات کا اعلان تھا کہ دین اسلام ظاہری، باطنی، صوری، معنوی ہر لحاظ سے مکمل ہو چکا۔ نبوت کی نعمت پوری ہو چکی، قانون و شریعت کے معاملات طے ہو چکے۔ عقائد، اعمال، اخلاق، حکومت، سیاست، مکروہات و مستحبات اور حرام و حلال کے اصول بن چکے۔ تاریخ انبیاء شاہد ہے کہ جب بھی کوئی نیا دین آیا، اسے کوئی نیا نبی لے کر آیا۔ اب تکمیل دین کی وجہ سے کوئی نیا دین نہیں اور کوئی نیا نبی بھی نہیں آئے گا۔ اس لیے تکمیل نبوت کے ساتھ تکمیل دین بھی ہو گئی۔ لہٰذا نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم، دین آپ ﷺ پر ختم، شریعت آپ ﷺ پہ ختم، سلسلہ وحی آپ ﷺ پہ ختم، آسمانی کتب آپ ﷺ پہ ختم، آپ ﷺ کا دین خاتم الادیان، آپ ﷺ کی شریعت خاتم الشرائع، آپ ﷺ کی کتاب خاتم الکتب، آپ ﷺ کی مسجد خاتم المساجد، آپ ﷺ کی نبوت اور آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس خاتم النّبیین ہے۔

عالمگیر نبوت: نبی کریم ﷺ سے قبل تشریف لانے والے سارے انبیاء (علیہم السلام) کی نبوتیں محدود علاقے، محدود وقت اور محدود انسانوں کے لیے تھیں۔ کوئی نبیؑ ایک گاؤں کے لیے نبی بن کر آیا، کوئی ایک قصبہ کے لیے نبی بن کر آیا، کوئی ایک شہر کے لیے نبی بن کر آیا اور کوئی ایک ملک کے لیے نبی بن کر آیا۔ لیکن جب آمنہ رضی اللہ عنہا کے لال اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کے درِ یتیم جناب نبی اکرم ﷺ کی باری آئی تو رب کائنات نے نبی کریم ﷺ کا تعارف یوں کرایا:

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا ..... (الاعراف: ۱۵۸) ''آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسولؐ ہوں...''

نبوت محمدی ﷺ کا دامن ساری کائنات کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ نبوت محمدی ﷺ کا بحرِ بیکراں زماں و مکاں کی قیود سے بالاتر ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت ہر زماں کے لیے، ہر مکاں کے لیے، ہر جہاں کے لیے اور ہر انسان کے لیے! کوئی رنگت، کوئی زبان، کوئی قومیت اور کوئی وطن آپ ﷺ کی عالمگیر نبوت سے مستثنیٰ نہیں۔ خاتم النّبیین ﷺ نبی ہیں ہر گورے کے لیے، ہر کالے کے لیے، ہر عجمی کے لیے، ہر عربی کے لیے، مشرق سے لے کر مغرب تک، شمال

سے جنوب تک، تحت الثریٰ سے ثریا تک اور فرش سے عرش تک۔ غرضیکہ جہاں تک خدا کی خدائی ہے، وہاں تک مصطفیٰ ﷺ کی مصطفائی ہے۔

خدا یکتا الوہیت میں تو یکتا رسالت میں
کسی کو اب نبی ہونے کا دعویٰ ہو نہیں سکتا

نبوت محمدی ﷺ کا آفتاب عالمتاب:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ o وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا o (الاحزاب:۴۵-۴۶)

اے نبی (مکرّم! ﷺ) بیشک ہم نے آپ کو (حق اور خلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا (بنا کر بھیجا ہے)۔ اور اس کے اِذن سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور منوّر کرنے والا آفتاب (بنا کر بھیجا ہے)۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سِــرَاجًـا مُّنِیـرًا کے دلنواز نام سے پکارا ہے، یعنی روشنی دینے والا سورج، اس دلکش اور روح پرور نام سے مندرجہ ذیل دلنشیں حقائق ثابت ہوتے ہیں۔

(۱) جس طرح مادّی سورج اپنے خالق کے بتائے ہوئے مقررہ راستہ پر حرکت کرتا ہے اور اپنی راہ سے نہیں بھٹکتا ورنہ کائنات کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ اسی طرح ہادی برحق اپنے مالک کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر گامزن رہے اور حق کا نور بکھیرتے رہے۔ نعوذ باللہ اگر آپ ذرا بھی اپنے راستہ سے ہٹ جاتے تو کائنات میں مایوسی، ہولنا کی اور کفر وضلالت کے سائے پھیل جاتے۔

(۲) جس طرح سورج یومِ آخر تک اس کائنات کو اپنی نورانی شعاعوں سے منور کرتا رہے گا اسی طرح نبوت کا آفتاب بھی قیامت تک اپنی ضیاپاشیاں کرتا رہے گا اور منزل کی تلاش میں سرگرداں مسافروں کو منزل تک پہنچاتا رہے گا اور ان کے قلب ونظر کو نورِ ایمان بخشتا رہے گا۔

(۳) اگر سورج نہ ہوتا تو نہ قوس وقزح کے رنگ ہوتے، نہ چمکتے ہوئے ستارے اور دمکتا ہوا مہتاب ہوتا، نہ آسمان سے بارش کا مصفا پانی برستا، نہ گلستان میں بہار آتی۔ نہ پھل ہوتے، نہ سبزیاں، نہ درخت ہوتے نہ مہکتے پھول، نہ ہی حیوانات ہوتے اور نہ ہی انسانات، المختصر ثابت یہ ہوا کہ سورج پر انسانی حیات کا دارمدار ہے۔ اگر سورج کا وجود نہ ہو تو انسانی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ آؤ اہلِ دنیا! اپنے خالق و مالک کی بات بھی سن لو کہ مادی سورج کا مالک اپنے "سِـرَاجًـا مُّنِیـرًا" کے بارے میں کس اہم بات سے تمہارے کانوں کو نواز رہا ہے۔ حدیث قدسی ہے: لولاك لما خلقت الافلاك، لو لاك لما خلقت الجنة، لولاك لما خلقت النار۔" (اے میرے پیارے رسول ﷺ) اگر میں آپ ﷺ کو پیدا نہ کرتا تو نہ زمین وآسمان ہوتے، نہ کوئی مخلوق اور نہ جنت وجہنم پیدا ہوتے۔"

ذرا ایک اور فرق ذہن نشین کر لیجیے کہ رب العزت نے فرمادیا کہ اگر یہ "سِرَاجًا مُّنِیرًا" نہ ہوتا تو یہ مادی سورج بھی نہ ہوتا۔ یہ مادّی سورج جس کی روشنی میں ہم اپنی زندگی کا سفر طے کر رہے ہیں، اس سورج کو بھی روشنی رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کے طفیل ملی ہے۔ جس طرح ہندوستان، پاکستان،

الاعتقاد

افغانستان، ایران، یونان، جاپان، مصر، روس، امریکہ، افریکہ، مشرق، مغرب، شمال، جنوب کو روشن کرنے کے لیے صرف ایک ہی مادّی سورج ہے۔ اسی طرح روحانیت کا نور بکھیرنے کے لیے صرف ایک ہی ہے، جس کی روشنی سے دلوں سے کفر و ضلالت کے اندھیرے کافور ہوجاتے ہیں۔ مادّی سورج اور حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے سورج میں ایک نمایاں فرق ہے۔ مادّی سورج طلوع ہوتا ہے اور چند گھنٹے روشن رہنے کے بعد شام کو غروب ہوجاتا ہے۔ لیکن آنحضرت ﷺ کی نبوت کا سورج قیامت تک غروب نہیں ہوگا۔ مادّی سورج کو گرہن لگ جاتا ہے اور اس کی روشنی میں کمی واقع ہوجاتی ہے لیکن آنحضرت ﷺ کے سورج کو نہ کبھی گرہن لگا ہے اور نہ قیامت تک لگے گا اور نہ ہی اس کی رخشندگی میں فرق پڑے گا۔

خورشید کے کاسے میں ترا صدقہ انوار
خیرات ترے نور کی کشکول قمر میں

معیارِ حق: قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدہ:۱۵) ''بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)۔''

یہاں روشنی (نور) سے مراد نبی اکرم ﷺ کی روشن شخصیت اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

نبی خاتم محمد رسول اللہ ﷺ سے قبل جن انبیائے کرام علیہم السلام پر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے ان میں سے آج بھی کوئی آسمانی کتاب اور صحیفہ اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں۔ ساری کتب اور صحائف دشمنانِ اسلام کے سفاک ہاتھوں سے تحریف وتبدل کا شکار ہوگئے، لیکن آخری نبی ﷺ پر نازل ہونے والی آخری کتاب کی حفاظت کا ذمہ رب ذوالجلال نے خود اٹھالیا اور انسانیت کی رہنمائی کے لیے یہ کتاب قیامت تک اپنی حقیقی حالت میں موجود رہے گی۔ نبی آخر الزمان ﷺ سے پہلے مبعوث ہونے والے سارے نبیوںؑ میں سے کسی بھی نبیؑ کی تعلیمات اور سیرت مکمل طور پر موجود اور دستیاب نہیں۔ اکثریت کے تو نام ہی معلوم نہیں، صرف چند مشہور انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی کے بارے میں چند اوراق مطالعہ کے لیے مل جاتے ہیں۔ لیکن خاتم النّبیین ﷺ کی حیات طیبہ اور تعلیمات کا ہر جز اور ہر ہر پہلو اپنی پوری درخشانی اور دلکشی کے ساتھ زندہ تابندہ ہے اور روزِ آخر تک انسانیت کے مطلع حیات پر سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کا آفتاب اپنی ضوفشانی کرتا رہے گا اور انسانیت کے چہریت کو ضیا بخشتا رہے گا۔ کیونکہ قرآن آخری کتاب اور صاحبِ قرآن آخری نبی ﷺ۔ اس لیے خدائے رحیم و کریم نے قرآن مجید اور صاحبِ قرآن کی سیرت کو محفوظ و مامون کرلیا اور رہتی دنیا تک آنے والے جن وانس کو مخاطب کرکے یہ اعلان کردیا:

قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدہ:۱۵)

''بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آ گیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)۔

اور خود خاتم النّبیین نے حجتہ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں موجود اور آئندہ آنے والے انسانوں کو مخاطب

الاعتقاد

کر کے رشد وہدایت کی یہ سند عطا کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک ان کو تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہو گے وہ دو چیزیں اللہ کا قرآن اور میری سنت ہے۔''

الحمدللہ! آج انسانیت کے پاس اللہ کے آخری نبی ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب، اللہ کے آخری نبی ﷺ کی سنتِ مطہرہ اور اللہ کے آخری نبی ﷺ کی سیرتِ طیبہ رہبری اور رہنمائی کے لیے موجود ہے۔ اس لیے انسانیت کو قطعاً کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔

کائنات کے باسیو! رب رحیم و کریم نے تمہیں ایسا رسولِ معظم ﷺ عطا کیا ہے جس کے بعد کسی رسول کی ضرورت نہیں۔ وہ ایسی کتاب لے کر آیا جس کے بعد انسانیت کو کسی کتاب کی احتیاج نہیں۔ وہ ایسی شریعت لے کے آیا جس کے بعد انسانیت کسی شریعت کی محتاج نہیں۔ وہ ایسا نظام لے کے آیا جس کے سوا کسی نظام کو دوام نہیں۔ اس کا وجود چراغ فروزاں جو تیرہ و تار شبوں میں روشنیاں پھیلائے۔ اس کی ہستی وہ ابر رحمت جو بحر و بر، کوہ و دمن، نشیب و فراز، سب پر حیات بخش پانی کی بارش برسائے۔ اس کا جسم اطہر وہ خوشبو جو سارے عالم کے دماغوں کو مہکائے۔ اس کا سراپا وہ چشمہ شیریں جس سے ہر پیاسا اپنی تشنگی بجھائے،، اس کی ذات وہ بہار جو دلوں کی وادیوں میں ایمان کے پھول کھلائے اور اس کی شخصیت معلم اعظم جو تمام زمانوں کے انسانوں کو تمام علوم پڑھائے اور انسانیت کو علم کے نور جگمگائے۔ تو آؤ اے گلشنِ ہستی کے مکینو! اس محسنِ انسانیت، قائدِ انسانیت، فخرِ انسانیت اور باعثِ تخلیقِ انسانیت کے حضور نہایت ادب و احترام کے ساتھ زبان، ذہن و دل سے ہدیہ تبریک پیش کریں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ریاض خدا کا گل سرسبد — محمد ازل ہے محمد ابد ﷺ
محمد ﷺ کہ حامد بھی محمود بھی — محمد کہ شاہد بھی مشہود بھی ﷺ
محمد ﷺ سراج و محمد منیر — محمد بشیر و محمد نذیر ﷺ
محمد ﷺ کلیم و محمد کلام — محمد پہ لاکھوں درود و سلام ﷺ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆☆☆

نعت شریف

عربکہ سردارِ چائی چھ لادن — اسہ گنہگارن بوز فریاد
سردارِ سرأس وندہوے پادَن — اسہ گنہگارن بوز فریاد
اولئے پأدِ کرنک زاتَن — أخرس شانہ بڈہِ نون ہز دراک
دِینس بجر دیوت چائی کمالَن — اسہ گنہگارن بوز فریاد
تمہ شبہِ نیونک سالہِ یزدادَن — جبریلؑ سوزنے ہتھ بُراق
حؤرہِ تَے غلمان سورہِ آسہ پرارن — اسہ گنہگارن بوز فریاد
ہمراہ جبریلؑ مکہ پپٹھ دراکھو — مسجدِ اقصیٰ کرتھ ٹھُراو
انبیاؑ سأری تتہِ أسی پیارَن — اسہ گنہگارن بوز فریاد
رُوحُ الامینؑ بانگ کیا پرنے — ملک فلک أسی دَر انتظار
پیشوا ژی تتہِ سارنے انبیاہنؑ — اسہ گنہگارن بوز فریاد
فریأد آسے بو چانیے ڈیڈِ تَل — چانہِ پاسہِ سپدَن مشکل حل
گَن تھاو احمدس لولہِ کِبن نادَن — اسہ گنہگارن بوز فریاد

نتیجہ فکر: از الحاج غلام احمد راتھر صاحب (خطیب جامع مسجد سی آر پورہ)

قرآن مجید، لیلۃ القدر اور رمضان المبارک: نعمتِ الٰہی

مولانا الحاج حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی (امام وخطیب مسجد ہاجرہ رضویہ، جمشید پور، جھارکھنڈ)

اللہ نے اپنے تمام بندوں کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں بار بار ملتا ہے۔ بنی نوع انسان کو رب نے اپنی نعمتوں سے نوازا لیکن ایمان والوں کو رب تعالیٰ نے اوروں سے زیادہ نوازا۔ علماء وصوفیاء فرماتے ہیں ”تمام نعمتوں میں اعلیٰ نعمت اللہ نے مومنوں کو ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا۔ اور قابلِ قدر، قابلِ ذکر نعمتوں کا شمار بھی مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ لیکن ایمان، رشد وہدایت کا سرچشمہ کلام الٰہی قرآن مجید، رمضان المبارک، لیلۃ القدر، رحمت ومغفرت، جہنم سے آزادی یقیناً اللہ کا انعام ہے۔ جس کا ہم اور آپ جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔ حکمِ خداوندی ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (ترجمہ: تم میری پہلی نعمت کا شکر ادا کرو میں تمھیں اور دوں گا۔ (القرآن سورہ ابراہیم، آیت ۷)

رمضان المبارک، قرآن مجید نعمت الٰہی:

صرف ان ہی دونوں نعمتوں کا ہی شکر ادا کریں تو انسانی طاقت وقوت سے بعید ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ (ترجمہ: رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا، لوگو (انسانوں) کی ہدایت کے لئے اور اس میں فیصلہ کی روشن باتیں ہیں تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا اس لئے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمھیں ہدایت دی تاکہ تم حق گزار ہو۔ (القرآن، سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵)

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ ہم اور آپ اس مبارک مہینہ میں زندہ ہیں، ایمان کی دولت سے مالا مال ہیں، قرآن کی تلاوت سے، روزوں کی برکتوں سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ہم لوگوں کو وعظ فرمایا کہ تمھارے اوپر ایک مہینہ آرہا ہے جو بہت بڑا مہینہ ہے، بہت مبارک مہینہ ہے، اس میں ایک رات ہے (شب قدر) جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔ یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ اللہ کی رحمت ہے اور درمیانی حصہ مغفرت ہے اور آخری حصہ آگ (جہنم) سے آزادی ہے۔ (حدیث)

صرف ایک ماہ میں پہلا عشرہ (دس دن) رحمت کا پھر دوسرا عشرہ (دس دن) مغفرت کا پھر آخری حصہ جہنم سے نجات کا۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ! کتنی ساری نعمتیں۔ قربان جایئے، اسی لئے تو قرآن کریم اعلان فرمارہا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ترجمہ: تم اللہ کی نعمتوں کو شمار نہیں کر سکتے۔ (القرآن سورہ ۱۴، آیت ۳۴) اتنے انعام پر معاملہ ختم نہیں۔ پھر ایک ایسی شب عنایت فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ! اس سے مراد لیلۃ القدر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔ اس سے ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ کبھی ہزار

مہینوں میں نوع انسانی کی فلاح کا وہ کام نہ ہوا ہوگا جتنا اس ایک رات میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے (دنوں) کے روزے فرض کیئے اور اس کی راتوں کو تطوع قرار دیا۔ تطوع سے مراد وہ کام ہے جو آدمی اپنے دل کی خواہش سے (Voluntarily) انجام دے، بغیر اس کے کہ وہ اس پر فرض کیا گیا ہو۔ (یعنی فرض سے زیادہ کام کرنا) ماہِ رمضان المبارک میں اللہ تعالیٰ ایسے مواقع پیدا فرما دیتا ہے جن کی بدولت تم اس کی بے حد و حساب (Unlimited) نعمتیں، مغفرت، رحمت، جہنم سے آزادی وغیرہ وغیرہ کا فائدہ اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔ اس مہینے میں ایک مومن اللہ کی جتنی عبادت کرے گا اور نیکیوں کے جتنے زیادہ کام کرے گا وہ سب اس کے لئے زیادہ سے زیادہ روحانی ترقی کا وسیلہ بنیں گے۔ اس کی برکتیں سمیٹنے کے بے شمار مواقع فراہم کر دیئے گئے ہیں۔ رمضان کی ہر ساعت کو اپنے حق میں نعمت خداوندی سمجھ کر اس سے اکتسابِ فیض کیجئے۔

حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں: اگر اس مہینے میں کسی آدمی کو اعمال صالحہ کی توفیق مل جائے تو پورے سال یہ توفیق شاملِ حال رہے گی اور اگر یہ مہینہ بے دلی، تردد اور پریشان خیالی میں گزرے تو پورا سال اسی حال میں گزرنے کا اندیشہ ہے۔ (مکتوبات امام ربانی) رمضان المبارک کے روزوں کو آداب کی پابندی سے رکھیں تا کہ کل جب آپ خدا کے حضور حاضر ہوں تو روزہ آپ کی سفارش کر سکے اور آپ جنت کے مستحق قرار پا سکیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن روزہ سفارش کرے گا اور کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے پینے اور دوسری لذتوں سے روکے رکھا۔ خدایا! تو اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور خدا اس کی سفارش قبول فرمالے گا۔ (مشکوٰۃ)

رحمت، مغفرت اور نجات کا مہینہ رمضان المبارک:

اس مبارک مہینے کی آمد پر آپ روزہ رکھنا شروع کرتے ہیں ادھر اللہ کی رحمت آپ پر سایہ فگن ہو جاتی ہے۔ پھر رمضان کا وسط آتا ہے اور اللہ آپ کے گناہوں، قصوروں سے درگزر فرمالیتا ہے اور آپ کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اب آپ آخری عشرہ میں پہنچ گئے اور آخری روزہ رکھتے ہی آپ کو دوزخ کے خطرے سے آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ پیارے مسلمانو! اس آزادی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب دوزخ سے آزاد ہو گئے ہیں تو جو جی چاہے کرتے پھریں۔ اب آپ کی کوئی پکڑ نہ ہوگی۔ قرآن کریم کا اعلان ہے۔ ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو آسمان میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمھارے جی میں ہے یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ تو جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (القرآن، البقرہ آیت ۲۸۴)

قرآن کریم میں اور احادیث کریمہ میں روزہ کی بے شمار

الاعتقاد

فضیلتیں موجود ہیں۔حدیث پاک میں کتنی پیاری بشارت ہے اس روزہ دار کے لئے جس نے اس طرح روزہ رکھا جس طرح روزہ رکھنے کا حق ہے یعنی روزہ کے تمام آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے روزہ رکھا اور تمام اعضا کو بھی گناہوں سے باز رکھا تو وہ روزہ اللہ کے فضل وکرم سے اس کے تمام پچھلے گناہوں کا کفارہ ہوگیا۔اللہ کے رسول ﷺ اپنے پروردگار کا فرمان سناتے ہیں۔ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ (روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا)۔حدیث قدسی کے ارشاد پاک کو محدثین کرام اَنَا اُجْزیٰ بِہٖ بھی پڑھا ہے (روزہ کی جزا میں خود ہی ہوں)۔سبحان اللہ! یعنی اللہ فرما رہا ہے کہ روزہ رکھ کر روزہ دار بذات خود مجھے ہی پالیتا ہے۔

تربیت اور شخصیت کی تعمیر میں روزہ کا کردار:

روزہ اسلام کا ایک اہم رکن وعبادت ہے جس کے ذریعہ انسان اطاعت و فرمابرداری کی زبردست تربیت (Training) حاصل کرتا ہے۔ روزہ شخصیت کی تعمیر اور اخلاقی تربیت کا بے مثال پروگرام ہے اور نفس امارہ کو شکست دینے اور نفس مطمئنہ تک پہنچنے کا بے نظیر لائحہ عمل ہے۔ یہ نفس کو شرعی ضوابط کی پابندی کا خوگر بناتا ہے۔غرض کہ تہذیب و اخلاق میں روزہ کا کردار نہایت ہی اہم ہے۔اگر انسان روزہ رکھ کر بھی گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے تو دراصل وہ روزہ کی روح کو مجروح کرتا ہے۔روزہ انسان کے لئے بہترین تربیت گاہ ہے لیکن یہ سب چیز تب حاصل ہوگی جب انسان روزہ کی حالت میں سختی کے ساتھ تمام گناہوں سے بچے جس سے بچنے کا حکم اسے دیا گیا ہے۔لیکن روزہ رکھ کر بھی انسان غیبت میں مبتلا اور نامحرم چہروں کو دیکھتا رہے، فضول باتوں میں وقت برباد کرے تو ایسے روزہ سے نہ خود اس کی ذات کی تربیت ہوتی ہے اور نہ ہی ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے اور ایسے روزہ دار کو بھوک اور پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے روزہ رکھ کر جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔

منہ اور زبان کا روزہ:

جھوٹ بولنا، جھوٹی قسم کھانا، جھوٹی گواہی دینا، غیبت کرنا، گالی گلوج کرنا یہ سب روزہ کے فوائد کو کم کردیتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں زبان کی حفاظت انتہائی ضروری ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب صبح ہوتی ہے تو سب اعضاء عاجزی کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں کہ تو ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرکیوں کہ ہم تجھ سے متعلق ہیں (یعنی ہماری خیر و عافیت اور دکھ تکلیف تجھ سے ہے) پس اگر تو ٹھیک رہی تو ہم بھی ٹھیک رہیں گے اگر تجھ میں کجی (ٹیڑھاپن) آگئی تو ہم میں بھی کجی آجائے

گی۔(ترمذی:۲۴۰۷)ایک اور حدیث پاک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: بلا شبہ بندہ کبھی اللہ کی رضامندی کا کوئی کلمہ ایسا کہہ دیتا ہے کہ جس کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا اور اس کی وجہ سے اللہ اس کے درجات بلند فرما دیتا ہے اور بلا شبہ بندہ کبھی اللہ کی ناراضگی کا کوئی ایسا کلمہ کہہ گزرتا ہے کہ اس کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں ہوتا اور اس کی وجہ سے دوزخ میں گرتا چلا جاتا ہے۔ (بخاری،۶۴۷۸) کم بولنے و زبان کی حفاظت سے صرف دنیاوی فائدہ اور راحت ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ آخرت کی نجات اور کامیابی کی ضمانت بھی دی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ نجات کی کیا صورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے گھر میں اپنی جگہ رہو (یعنی زیادہ تر اپنے گھر میں رہو، باہر کم نکلو کیونکہ گھر کے باہر بہت فتنے ہیں) اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ (ترمذی:۲۴۰۶)

لیلۃ القدر بخشش و مغفرت کی رات:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب رمضان کی آخری دس تاریخیں آتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ کمر بستہ ہوجاتے تھے۔رات رات بھر جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔(متفق علیہ)اس حدیث پاک سے آخری عشرہ اور لیلۃ القدر کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔آپ ﷺ اللہ کی بندگی بجالانے میں ہمیشہ انتہائی محنت کرتے تھے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق رمضان کے آخری دس دنوں میں آپ ﷺ کی محنت بہت زیادہ بڑھ جاتی تھی۔

لیلۃ القدر کی دعا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کا کیا خیال ہے اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ کون سی رات لیلۃ القدر ہے تو مجھے اس میں کیا کہنا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہو اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی ترجمہ: اے میرے اللہ، تو بڑا معاف کرنے والا ہے، تو معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، لہٰذا مجھے معاف فرمادے۔(مسند احمد، ابن ماجہ، ترمذی) یہ ماہ اور یہ رات خطا کاروں کے لئے رحمت وعطا اور بخشش ومغفرت کی رات ہے۔اس رات اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہائیں، رب کریم سے التجائیں کریں، بھلائی کی التجا کریں۔ اس ماہ رحمتِ خداوندی ہر پیاسے کو سیراب کرتی ہے اور ہر منگتے کی جھولی گوہرِ مراد سے بھر دینے پر مائل ہوتی ہے۔ تمام مسلمانوں کے لئے یہ سنہرا موقع ہے رحمتیں سمیٹنے کا، خیر جمع کرنے کا، گناہ معاف کروانے اور جنت میں جانے کا۔موقع ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اللہ ہم سب کو رمضان المبارک کی برکتوں سے مالامال فرمائے۔آمین ثم آمین!

☆☆☆☆☆

موجودہ عہد میں قرآنی طریقۂ دعوت کی معنویت

رفعت رضا نوری

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ o [ابراهیم: ۵۲]

''یہ (قرآن) لوگوں کے لئے کاملاً پیغام کا پہنچا دینا ہے، تاکہ انہیں اس کے ذریعہ ڈرایا جائے اور یہ کہ وہ خوب جان لیں کہ بس وہی (اللہ) معبودِ یکتا ہے اور یہ کہ دانش مند لوگ نصیحت حاصل کریں۔'' [عرفان القرآن]

یعنی قرآن کریم لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خوف کھائیں اور یہ جانیں کہ اللہ تنہا معبود ہے اور قرآن کریم کی یہ نصیحت باشعور افراد یاد رکھیں۔ اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ قرآن حکیم پوری انسانی دُنیا کے لئے سراسر دعوت بن کر آیا ہے جسے قبول کر لینے ہی میں اچھی زندگی کا راز پوشیدہ ہے، اور اُس سے منھ موڑنا گویا کائنات کے خالق و مالک سے بغاوت ہے۔

قرآن کریم نے دعوت کا فریضہ انجام دینے کے لئے ہمارے سامنے کچھ اہم نکات اور اصول رکھے ہیں، اگر ہم ان اصول وقوانین کی رعایت کامل طور پر کرلیں تو اللہ کی ذات سے فتح وکامیابی کی امید بڑھ جاتی ہے، مثلاً:

حسن تدبیر: دعوت الی اللہ کے طریقوں میں مدعو کی نفسیات اور اس کی ذہنی سطح کا لحاظ کرتے ہوئے تین طریقے بہت مرکزی اور بنیادی ہیں جنہیں اس آیت میں واضح کیا گیا ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ o [نحل: ۱۲۵]

''(اے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو....'' [عرفان القرآن]

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کریم تمام انسانوں کو تین خانے میں تقسیم کرکے ہر ایک کے لئے الگ الگ طریقہ اپنانے کی دعوت دیتا ہے:

☆ پہلا طبقہ دانش ور اور باشعور لوگوں کا ہے جنہیں دلائل اور شواہد کی روشنی میں دعوت دی جائے، انہیں حکمت و دانائی کی باتوں کے ذریعے اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا راستہ بتایا جائے۔

☆ دوسرا طبقہ عوام الناس کا ہے جنہیں پند ونصیحت اور آسان وہ عام فہم دلیل کے ذریعے حق کی دعوت دی جائے، یعنی عبرت ونصیحت پر مشتمل حکایات وقصص کے پردے میں اللہ تک پہنچنے کی رہنمائی کی جائے۔

☆ تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو سخت گیر اور قبول حق کے لئے مشکل سے آمادہ ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کے لئے حکم ہے کہ ان سے پرامن طریقے سے گفتگو اور بحث ومباحثہ کیا جائے، اگر مدعو جدال پر آمادہ ہو تو داعی کے لئے لازم ہے کہ نزاکت اور موقع ومحل کا لحاظ کرتے ہوئے مدعو کے ساتھ کریمانہ اخلاق سے پیش آئے، کیوں کہ کسی بھی ردِ عمل کا جواب ردِّ عمل نہیں بلکہ عمل ہے، اب عمل میں حسن کس طرح پیدا کیا جائے یہ داعی کی حکمت، دانائی اور موقع شناسی پر مبنی ہے۔

مذکورہ آیتِ کریمہ میں یہ لطیف اشارہ بھی موجود ہے کہ داعی اللہ تک پہنچنے والے راستے کی واقفیت اور اس کی مشکلات

الاعتقاد

ومصائب کا جاننے والا ہو، بالغ نظر اور اخلاق مند بھی ہو۔

نرم گفتاری: دعوت پیش کرتے وقت انتہائی متکبر اور گستاخ و دشمن سے بھی نرم لہجے میں گفتگو ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ میں حق کے بدترین دشمن فرعون سے بھی نرمی سے پیش آنے کی ہدایت کی گئی:

اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی o فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰی o [طه: ۴۳-۴۴]

''تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ بیشک وہ سرکشی میں حد سے گزر چکا ہے۔o سو تم دونوں اس سے نرم (انداز میں) گفتگو کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔o [عرفان القرآن]

گویا داعی کو چاہیے کہ ہر قسم کے لوگوں تک حتی کہ ظالم و مغرور اور غیر مہذب و دیہاتی لوگوں کے ساتھ بھی اپنی حکمت عملی کے تحت نرم رویہ اختیار کرے، خوش گفتاری کا مظاہرہ کرے، اور لوگوں کی بداعمالیوں و بداخلاقیوں سے ناراض ہو کر کسی ناشائستہ عمل کا اظہار بھی نہ کرے، کیوں کہ:

جبیں کشادہ، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

مخلصانہ دعوت: قرآن کریم کے بیان کے مطابق تمام پیغمبران عظام علیہم السلام حق کی دعوت وتبلیغ میں خودغرضی کے معمولی شائبے سے بھی پاک تھے۔ ان کی دعوت بےغرض و بےنفس اور اخلاص و خیرخواہی کا مجسمہ نظر آتی ہے۔ دعوت وتبلیغ کے عمل میں یہ اوصاف رگ جان کی حیثیت رکھتے ہیں اور ایک کامیاب داعی کا ان صفات سے متصف ہونا بے حد ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ ج وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ o [سبا: ۴۷]

''فرما دیجئے: میں نے (اس احسان کا) جو صلہ تم سے مانگا ہو وہ بھی تم ہی کو دے دیا، میرا اجر صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔'' [عرفان القرآن]

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ o اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا یَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ o [یٰس: ۲۰-۲۱]

''.....اس نے کہا: اے میری قوم! تم پیغمبروں کی پیروی کرو o ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں o'' [عرفان القرآن]

مگر آج ہم مقررین اور نام نہاد دعاۃ و مبلغین نے پیغمبروں کے اس سبق کو سرے سے فراموش کردیا ہے، اس لئے وہ اثرات اور نتائج بھی نظر نہیں آتے جو ان پاک نفوس کی زبان سے ہوا کرتے تھے۔

قول وعمل میں یکسانیت: دعوت وتبلیغ کے معاملے میں قرآن کریم قول وفعل میں ہمیشہ یکسانیت پر زور دیتا ہے اور قرآن قول وفعل کے تضاد سے ہمیشہ روکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ o [صف: ۲-۳]

''اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو o اللہ کے نزدیک بہت سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے o'' [عرفان القرآن]

باہم ذوقِ آگہی بائے رے پستیٔ بشر

سارے جہاں کا جائزہ اپنے جہاں سے بے خبر

جب کہ دوسری طرف خوش کن اور امید افزا بات یہ ہے کہ داعی اگر قول و عمل کی عملی تصویر ہو تو پرزور لفظوں میں قرآن اس کی تعریف بھی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَo [حم سجدہ: ۳۳]

''اور اس شخص سے زیادہ خوش گفتار کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے: بے شک میں (اللہ عزّ و جل اور رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے) فرمانبرداروں میں سے ہوںo''[عرفان القرآن]

دعوت میں زبردستی نہیں: اسلام درحقیقت ایمان و یقین کا نام ہے جس کا تعلق انسان کی اندرونی صلاحیت سے ہے، اگر انسان کی کیفیت اسلام قبول کر لیتی ہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کو ٹس سے مس نہیں کر سکتی ہے۔ اسی حقیقت کو واضح کرتے ہوتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ .... [البقرہ: ۲۵۶]

''دین میں کوئی زبردستی نہیں، بیشک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے،......''[عرفان القرآن]

پھر یہ بھی فرمایا گیا ہے:

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ یَّخَافُ وَعِیْدِo [ق: ۴۵]

''ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور آپ اُن پر جبر کرنے والے نہیں ہیں، پس قرآن کے ذریعے اس شخص کو نصیحت فرمایئے جو میرے وعدۂ عذاب سے ڈرتا ہے۔''

چنانچہ داعی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کی صحیح تعلیمات لوگوں تک پہنچائے اور اُسی کی روشنی میں ترہیب و ترغیب کرے، نیز جبراً کسی پر کوئی عقیدہ و نظریہ تھوپنے کی کوشش کرنے سے پرہیز کرے۔

جذباتی دعوت سے گریز: ہر چند کہ دعوت و تبلیغ میں ایک اللہ کی عبادت پر لوگوں کو اُبھارا جاتا ہے مگر اس میں حد درجہ احتیاط، انتہائی سنجیدگی اور حکمت و دانائی کی ضرورت ہوتی ہے کہ دوسروں کو کوئی تکلیف نہ ہو، اور دعوت کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔ ایسا نہ ہو کہ داعی جذبات میں آ کر مخاطب و مدعو کو برا بھلا کہہ دے، اور نتیجے میں مخاطب و مدعو، داعی کے خلاف ردّ عمل پر آمادہ ہو جائے، یا پھر اللہ و رسول ﷺ کی شان میں گستاخانہ لہجہ اختیار کر لے۔ اسی لئے داعی کو جذباتی دعوت سے گریز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ط ..... [الانعام: ۱۰۸]

''اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں پھر وہ لوگ (بھی جواباً) جہالت کے باعث ظلم کرتے ہوئے اللہ کی شان میں دشنام طرازی کرنے لگیں گے۔..''[عرفان القرآن]

جرأت اور صبر و استقامت: استقلال، پامردی اور صبر و ضبط ایسی صفات ہیں جن کے بغیر کسی شخص کے لئے دعوت کے میدان میں زیادہ دیر ٹکنا ممکن نہیں ہے، اس راہ میں قدم قدم پر

الاعتقاد

مزاحمت، مخالفت، دھمکیوں اور ذہنی و جسمانی تکالیف سے سابقہ پیش آنا ناگزیر ہے، اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے کہ خندہ پیشانی سے ان چیزوں کا سامنا کرے۔ صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ دے، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھے اور اپنی آزمائشوں کو خوش آئند دور کا پیش خیمہ تصور کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ٥ [ابراهيم: ١٢]

''اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں درآنحالیکہ اسی نے ہمیں (ہدایت و کامیابی کی) راہیں دکھائی ہیں، اور ہم ضرور تمہاری اذیت رسانیوں پر صبر کریں گے اور اہلِ توکل کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے٥'' [عرفان القرآن]

عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو
عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

مشکل اوقات اور آزمائش کی گھڑیوں میں داعی کو بددل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ہر پریشانی و مصیبت کو اپنی کامیابی کی کنجی سمجھ کر دعوت و تبلیغ کی راہ پر آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ خود قرآن کریم میں بھی اس کی رہنمائی ملتی ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا٥ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ٥ [الانشرح: ٥-٦]

''سو بیشک ہر دشواری کے ساتھ آسانی (آتی) ہے٥ یقیناً (اس) دشواری کے ساتھ آسانی (بھی) ہے٥'' [عرفان القرآن]

جلد بازی سے پرہیز: داعی کو مدعو سے فوراً یہ خواہش نہیں رکھنی چاہیے کہ دعوت سنتے ہی وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جائے، اگر ایسا ہو جائے تو اچھی بات ہے، ورنہ داعی کو صبر سے کام لینا چاہیے۔ باشعور داعی، حالات و تقاضے کا خصوصی لحاظ رکھتا ہے، وہ لوگوں کے مزاج اور ان کی ذہنی آمادگی کے مطابق اپنی دعوت پیش کرتا ہے۔

ایسا نہیں کہ مخاطب بات سننے کے لئے تیار نہ ہو، اور اُسے زبردستی سننے پر مجبور کیا جائے، بلکہ جب مخاطب ذہن و فکر کے اعتبار سے مکمل طور سے آمادہ ہو، تب دینی دعوت پیش کی جائے تو یہ طریقہ موثر بھی ہوگا اور لائق ستائش بھی، پھر اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ دعوت دینے کے بعد اُسے غور و فکر کا مکمل موقع دیا جائے تاکہ وہ ہر پہلو پر اطمینان قلب کے ساتھ غور و فکر کر لے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَ اِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ [الانعام: ٦٨]

اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں (کج بحثی اور استہزاء میں) مشغول ہوں تو تم ان سے کنارہ کش ہو جایا کرو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں، ....'' [عرفان القرآن]

اس سے ایک بات یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ داعی کو اپنے وقار اور اپنی عزت نفس کا خیال رکھنا چاہیے، ہاتھ دھو کے مدعو کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے۔

دعوت میں تدریج: دعوت دین کے لئے سب سے اہم ترین مرحلہ تدریج کا ہے، داعی کو مخلوق کی ہدایت کے لئے حریص ضرور ہونا چاہیے لیکن جلد باز نہیں، بلکہ آہستہ آہستہ اور موقع بہ

موقع لوگوں کو ہدایت کی دعوت دینی چاہیے، جیسا کہ خود خالق کائنات نے لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کووقفہ وقفہ سے بھیجا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا○ [اسراء: ۱۰۶]

''اورقرآن کوہم نے جداجدا کر کے اتارا تا کہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور ہم نے اسے رفتہ رفتہ (حالات اور مصالح کے مطابق) تدریجاً اتارا ہے○'' [عرفان القرآن]

اسی ذیل میں توحید کی دعوت، شرک کی تردید، پھر آہستہ آہستہ شرعی قوانین اور اسلامی معاشرے کی تشکیل سے متعلق احکام نازل ہوتے رہے۔ نیز اللہ کی رضا جوئی، رسول اللہ ﷺ کی اتباع، فرائض وحقوق کی ادائیگی، اخلاق و عادات میں پاکیزگی اور تزکیہ نفوس پر آہستہ آہستہ زور دیا گیا، جس کی تکمیل حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی، اور پوری دنیا کو مثالی اور صالح معاشرے کانسخہ ہاتھ لگا۔

یہاں قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ جس طرح قرآن کریم ایک غیر فانی ابدی سرمایہ ہے، یوں ہی اس کے بتائے ہوئے اصول وقوانین اور ہدایت وتعلیمات بھی ہر دور میں لائقِ تقلید اور قابلِ عمل ہیں، اگر ہم دعوت کے میدان میں کچھ گزرنے کے خواہشمند ہیں تو بڑی ایمانداری اور اخلاص کے ساتھ قرآن کریم کے طریقۂ دعوت پر عمل کرنا ہوگا اور اخلاص کے ساتھ اس کے لئے کوشش کرنی ہوگی تبھی جا کر ہم تاریکی سے روشنی کے مینار کی طرف بڑھ سکتے ہیں۔☆☆☆

(بشکریہ: ماہنامہ خضرِ راہ؛ فروری ۲۰۱۵)

نعت شریف

''اے عشقِ مصطفائی ﷺ''

مولانا مشتاق احمد خان صاحب

(صدر انجمن تبلیغ الاسلام؛ جنوبی کشمیر)

اے عشقِ مصطفائی ﷺ ہمدَم مےٚ ژی بنٛکھنَا
بوٗتھ یہِ رازدارَن مۂ تہٕ سُوی کتھَا وَنکھنا
یمہ رَنگۂ رونٛگتھ ژے رومیؒ جامیؒ عطارؒ نظامیؒ
سُوی رنگ چھُ لا مِثالی تتھی منٛز ہِتے رنٛگکھنَا
شونٛگنوی دوہے چھُ لیکن اکہٕ رأژی تتھوی مہ ساومؒ
دِیہٕ جلوۂ شاہ عالم ﷺ ترٛشہ مِنتھا تھوکھنا
یمہ سوز وسازچی مِلوَن چاۓنس رفیقِ غارَس
ٲتمہِ سوزۂ اندرہ اکھ ذرّہ للّٰہ عطا کرکھنا
یتھ منٛز غرق ژے کورتھَن قَرنُک اویس جانانؒ
چاوَکھ مہ دام جوراہ بَس شفقتھاہ کرکھنَا
غواص بحر عرفان منصور سرمد تہٕ تبریز
دارَس کھَسن تہٕ لَسنُک دَرسا بیہ پرکھنَا
یتہِ زَر بنان چھُ خاکس سپدان چھُ نُور نارَس
سوی وُزملأ بنٛتھ وُنی نیہہ گٹہٕ دفع کرکھنَا
مشتاقؔ گاش وندہی اے کاش مے نِش ژے روزَکھ
لگہٕ نوٗتش اَمارَس یارَس ژے تِی وَنکھنَا

//☆☆☆☆☆☆//

//☆☆☆//

//☆☆//

قرآنِ کریم اور نبوت ورسالت

ڈاکٹر جہاں گیر حسن مصباحی (استاذ: جامعہ عارفیہ،سید سراواں، الہ آباد)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر زمانے میں انبیاومرسلین علیہم السلام، انسانوں کے لیے ہدایت کے پیغامبر بن کر تشریف لاتے رہے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے اور نبی کریم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوجاتا ہے۔ ان تمام انبیاومرسلین علیہم السلام کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ دین ربانی کی بالادستی قائم ہو، اور لوگ یہ نہ کہہ سکے کہ اُنھیں پتا نہیں چلا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت وطاعت اور فرماں برداری کیسے کی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِیۡنَ وَ مُنۡذِرِیۡنَ لِئَلَّا یَکُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعۡدَ الرُّسُلِ (نسا:۱۶۵)

ترجمہ: پیغمبران عظام خوش خبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے بنا کر بھیجے گئے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد اللہ رب العزت پر لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے۔

سب رسول علیہم السلام بشر اور برحق تھے، اس لیے جب تک تمام انبیاومرسلین پر ایمان نہ رکھا جائے گا کوئی بھی شخص ایمان والا نہیں ہوسکتا اور کوئی بھی طاعت وفرماں برداری اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت وفرماں برداری کے بغیر معتبر نہیں۔ پیغمبران عظام کی اطاعت وپیروی سے منھ موڑنا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر قوم میں انبیاومرسلینؑ کو مبعوث فرمایا جنھوں نے اپنی اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی دعوت دینے کے لیے سب سے آخر میں تشریف لائے، اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اللہ رب العزت کے تمام انبیاومرسلین ایک ہی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لَقَدۡ بَعَثۡنَا فِیۡ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ (نحل:۳۶)

ترجمہ: ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو بتائے کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے دوری اختیار کرو۔

ایک مسلمان کے لیے اپنی ذات کی معرفت اتنی ضروری نہیں جتنی کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی معرفت ضروری ہے، کیوں کہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسالۃ کو تکمیل ایمان کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ النُّوۡرِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلۡنَا (تغابن:۸)

ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول، اور اس نور پر ایمان لاو جو ہم نے اتارا۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تمام انسانوں پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ قَدۡ جَآءَکُمُ الرَّسُوۡلُ بِالۡحَقِّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ فَاٰمِنُوۡا خَیۡرًا لَّکُمۡ (نساء:۱۷۰)

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ رسول ﷺ آ گیا ہے اس پر ایمان لے آؤ اس میں تمہاری ہی بھلائی ہے۔

مزید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الاعتقاد

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا(اعراف:۱۵۸)

ترجمہ:(اے محبوب ﷺ!) آپ فرمادیں کہ اے لوگو: میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

ان آیات کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ پیغمبراعظم ﷺ صرف اپنے ملک، اپنے زمانے اور اپنی قوم کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری نسل انسانی کے لیے ہادی ورہنما تھے۔

لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ رسول جو کچھ بتائیں وہ حق ہے، جو کچھ کہیں وہ سچ ہے اور جو بھی عمل کریں وہ قابل اتباع ہے۔خواہ ان باتوں کا تعلق عبادت و معاملات سے ہو، تہذیب و معاشرت سے ہو، اخلاق و کردار سے ہو، یا زندگی کے کسی بھی حصے سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا(حشر:۷)

ترجمہ: رسول جو کچھ تمھیں دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی میں امن ومحبت ہے اور اتحاد و سلامتی ہے۔ جو کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی سے منھ موڑتا ہے، گویا وہ سیدھی راہ سے بھٹک جاتا ہے، اس کے لیے نہ دنیا میں کوئی کامیابی ہے اور نہ آخرت میں نجات۔

نبوت ورسالت کی شناخت

انسان چاہے جتنا بھی کمال حاصل کرلے وہ مقام رسالت کو نہیں پاسکتا، کیوں کہ پیغمبران عظام جس مقام پر ہوتے ہیں وہ کمال وخوبی کی آخری منزل ہوتی ہے۔

ذیل میں چند منتخب آیات کریمہ پیش ہیں جن میں رسالت ونبوت کی علامتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (حج:۷۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے بعض کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے چن لیتا ہے۔

یعنی شرافت کے اعتبار سے انسانوں میں جو برگزیدہ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں منصبِ رسالت عطا فرماتا ہے اور انھیں کو اپنے پیغام کا امین بھی بناتا ہے۔

۲۔اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہ(انعام:۱۲۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ منصبِ رسالت کا اہل کون ہے۔

لہٰذا عظمت و رفعت، صفائے قلبی، بہادری، خداشناسی اور اخلاقی اعتبار سے عظیم ہونے کی بنیاد پر ہی اللہ تعالیٰ نے پیغمبران عظام کو رسالت ونبوت کا محل قرار دیا، اور انھیں سعادت، انسانیت، ہدایت اور معرفت کا سرچشمہ بنایا۔ اگر اُن میں یہ صلاحیت پہلے سے نہ پائی جاتی تو اللہ تعالیٰ انھیں ہرگز منصب رسالت عطا نہ فرماتا اور نہ ہدایت کی ذمہ داری اُن کے سپرد فرماتا، اس لیے اللہ تعالیٰ کا ان ہستیوں کو رسالت ونبوت کے تاج سے سرفراز کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پہلے سے ہی ہر طرح کے عیبوں سے پاک تھے، یہی وجہ رہی کہ انبیاومرسلین کی قوم ان سے ہمیشہ اچھے توقعات رکھتی تھی، جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کے درمیان ہوئی گفتگو سے اس بات کی تائید

ہوتی ہے:

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا(ہود:۶۲)

ترجمہ: وہ لوگ کہنے لگے کہ اے صالح! اس سے پہلے تم ہی ہماری قوم میں امیدوں کا سرچشمہ تھے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ پیغمبران عظام بعثت سے پہلے ہی اپنی قوموں کے درمیان ایک خاص اخلاقی خوبی اور قابل رشک زندگی کے مالک ہوتے تھے، یہی اخلاقی شیوہ، کشش کا باعث بنی کہ لوگ پیغمبران عظام سے کچھ زیادہ ہی پُرامید نظر آئے اور اُن سے وہ اپنی امیدوں کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ ایسا تقریباً سبھی رسولوں کے ساتھ ہوا کہ جب انھوں نے لوگوں کو دعوت حق دی تو جو لوگ ضدی مزاج نہ تھے انھوں نے پہلی ہی بار میں ان کی دعوت قبول کر لی، اور ان کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے میدان عمل میں آ گئے۔ بالخصوص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اس کے لیے مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔

انبیاو مرسلین کی عصمت

اس میں شک نہیں کہ انبیاو مرسلین کی آمد کا مقصد انسانوں کی تربیت اور ان کی ہدایت ہے، اور تربیت کے اہم وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مربی میں ایسی صفات پائی جائیں جن کی وجہ سے لوگ اس سے قریب ہوں۔ چنانچہ اگر کوئی مربی خوش گفتار تو ہو لیکن اس میں بعض نفرت انگیز صفات بھی پائی جائیں جن کی وجہ سے لوگ اس سے دور ہو جائیں تو ایسی صورت میں تربیت کا اصل مقصد ہی ختم ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر اگر کوئی ڈاکٹر شراب کے نقصانات پر بہترین لکچر دے لیکن خود اس قدر شراب پیے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہ سکے تو ایسی صورت میں شراب کے خلاف اس ڈاکٹر کی اچھی سے اچھی تقریر بھی خاک میں مل جائیگی۔ اسی طرح اگر کسی جماعت کا رہبر و رہنما عدل و انصاف اور مساوات کی باتیں زبردست انداز میں بیان کرے لیکن خود عملی طور پر لوگوں پر ظلم کرتا رہے، ان کے ساتھ ناانصافی کرتا رہے اور اُن کا مال ہڑپتا رہے تو اس کا یہ عمل اس کی مفید تر نصیحت کو بھی بے اثر کر دے گا۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے پیغمبران عظام کو ہر گناہ اور خطا و لغزش سے معصوم بنایا ہے۔ اس تعلق سے قرآن کریم کی متعدد آیات کریمہ موجود ہیں، مثلاً:

۱۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰاهُمُ اقْتَدِهْ(انعام:۹۰)

ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے، تو تم اُنھیں کی پیروی کرو۔

اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہ سیدھی راہ سے کیسے بھٹک سکتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کریمہ سے اس کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے:

۲۔ وَمَنْ یَهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُضِلٍّ(زمر:۹۰)

ترجمہ: جسے اللہ رب العزت ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

اِن دونوں آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیا و مرسلین کو ہدایت اللہ تعالیٰ نے دی ہے، اور ہدایت بھی ایسی کہ کوئی نبی و رسول گناہ صغیرہ کا بھی ارتکاب نہیں کر سکتا، چنانچہ اب جب کہ ضلالت............... **(بقیہ صفحہ 38 پر)**

آیات الٰہی اور ہماری غفلت

اشتیاق عالم مصباحی

قرآن کریم میں تقریباً ۲۰ سورتوں میں نسیان کا ذکر آیا ہے۔ یوں تو نسیان انسان کی صفت لازمہ ہے بعض لوگوں نے انسان کی وجہ تسمیہ بھی نسیان بتائی ہے، اگر یہ صفت ترقی کر جاتی ہے تو لوگ اسے مہلک مرض شمار کرنے لگتے ہیں اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے طرح طرح کے علاج و معالجے بھی کراتے ہیں، کیوں کہ نسیان سے صرف بھولنے والے شخص کا ہی نقصان نہیں ہوتا بلکہ اس سے دوسروں کو بھی بے حد نقصان پہنچتا ہے۔

تجربات شاہد ہیں کہ جس قدر مادّی ترقیاں ہو رہی ہیں انسان اتنا ہی زیادہ نسیان کے مرض کا شکار ہو رہا ہے، شاید انبیائے کرام علیہم السلام کا سلسلہ وار دنیا میں تشریف لانا اسی نسیان کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ سیدالانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کے تعلق سے اللہ رب العزت فرماتا ہے:

فَذَكِّرْ ط اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ O [الغاشية: ٢١]

ترجمہ: یاد دلاؤ کیوں کہ تم یاد دلانے والے ہو۔

وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ O [الذاريات: ٥٥]

ترجمہ: یاد دلاؤ کیوں کہ یاد دہانی مومنوں کو نفع دیتی ہے۔

قرآن مقدس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نسیان ایک مذموم صفت ہے جس سے بچنا لازمی ہے، مثلاً:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ط حَتّٰى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ O [الانعام: ٤٤]

ترجمہ: جب انہوں نے نصیحتوں کو بھلا دیا تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جب اللہ کے دیے ہوئے انعام پر خوش ہونے لگے تو ہم نے اچانک ان پر عذاب نازل فرمایا اور وہ ناامید ہو کر رہ گئے۔

یہ الگ بات ہے کہ نسیان کی بعض صورتوں پر کل قیامت میں اللہ رب العزت ہم سے مواخذہ نہیں فرمائے گا اور بعض صورتوں پر ہماری گرفت ہوگی، اس لئے اب ہم ذیل میں نسیان کے معانی و مفاہیم، اس کی قسمیں اور علاج وغیرہ پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

لغوی و اصطلاحی معنی

:لغت میں نسیان کا معنی بھولنا اور ترک کرنا ہے۔

جب کہ اصطلاح میں نسیان کہتے ہیں: **ترك الانسان ضبط ما استودع اما لضعف قلبه و اما عن غفلة و اما عن قصد حتى ينحذف عن القلب ذكركم۔** یعنی انسان کا ضعف قلب یا غفلت کی وجہ سے امانتوں کی حفاظت نہ کر پانا یا اُسے قصداً دل سے بھلا دینا۔

نسیان کی قسمیں: اہل علم و دانش نسیان کو دو حصوں میں بانٹتے ہیں، ان کا ماننا ہے کہ نسیان دو متضاد باتوں پر مشتمل ہے۔ نسیان کبھی حسین مانا جاتا ہے، مثلاً

۱) کسی کی جانب سے دی جانے والی اذیتوں کو بھلا کر اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔

۲) تواضع کے حصول اور عام لوگوں کے ساتھ مل جل کر زندگی گزارنے کے لئے اپنے حسب و نسب کو بھول جانا۔

۳) اپنے رنج و غم کو بھلا کر یہ یاد رکھنا کہ دین کے علاوہ ہر

الاعتقاد

مصیبت حقیر ہے، اور یہ کہ خوشی کے لمحات ہر کسی کو ہمیشہ میسر نہیں آتے۔

۴) اپنی فضیلت اور خوبیوں کو بھلا کر اپنی کوتاہیوں اور کامیوں پر نظر رکھنا۔

۵) اپنے احباب کے عیوب اوران کی لغزشوں کو بھول کر صرف ان کی خوبیوں پر نظر رکھنا وغیرہ۔

یہ سب حسین نسیان کے زمرے میں شامل ہیں۔

اسی طرح نسیان کبھی قبیح ہوتا ہے، مثلاً:

۱) انسان کا اپنی عبدیت اور فقر و عاجزی کو بھول جانا، اسے یہ یاد نہ رہنا کہ اس کا سارا داؤ پیچ، چلنا پھرنا کھانا کمانا سب آسمان وزمین کے رب کی مرہونِ منت ہے۔

۲) دن کا اجالا ہو یا رات کی تاریکی اللہ کی نگہبانی کو بھول جانا، اور اس بات سے غافل ہو جانا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے تا کہ وہ گناہوں پر اور جری ہو جائے۔

۳) اللہ کی جانب سے آنے والی مصیبتوں اور آزمائشوں کو یاد رکھنا اور اس کے فضل واحسانات کو بھول جانا۔

۴) اپنے محسنین کے احسانات کو بھلا دینا۔

۵) اپنے احباب کے عیوب یاد رکھنا اور ان کی خوبیوں سے منھ پھیرنا۔

کلام اللہ میں لفظ نسیان کا استعمال:

قرآن کریم میں لفظ نسیان کا استعمال تین طرح سے ہوا ہے:

پہلی صورت میں رب قدیر اپنے فضل و کرم سے بندوں کے ذہول وغفلت کو معاف کر رکھا ہے۔ فرمان عالی شان ہے:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ج [البقرہ: ۲۸۶]

ترجمہ: اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو تو ہماری گرفت نہ فرما۔

دوسری صورت ترک احسان کی ہے، اللہ کا فرمان ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ط [البقرہ: ۲۳۷]

ترجمہ: آپسی احسان کو فراموش نہ کرو۔

تیسری صورت میں بندوں کی مذمت بیان کی گئی ہے اور اس پر اللہ کی وعید آئی ہے جیسا کہ قرآن مقدس میں ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ج **يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ** لا **وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ** ج [المائدہ: ۱۳]

ترجمہ: ان کی بدعہدی پر ہم نے انہیں اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان کے دل سخت کر دیے، وہ اللہ کی باتوں کو ان کی اصل جگہ سے بدل دیتے ہیں اور اکثر نصیحتوں کو بھلا بیٹھتے ہیں۔

جس نسیان پر اللہ نے وعید فرمائی ہے قرآنی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پانچ طرح کے ہیں:

(۱) نسیان النفس، یعنی نفس کو بھلا دینا۔

اللہ کا فرمان ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ** O [الحشر: ۱۹]

ترجمہ: تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اللہ کو بھول بیٹھے تو اللہ نے خود انہیں ان کی ذات سے غافل کر دیا۔

الاعتقاد

دراصل کسی کا اپنی ذات سے غافل ہونا ایسا مرض ہے جو اسے کفر و شرک جیسی بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ عبدیت سے غفلت ہلاکت کا باعث ہے۔ اہل تصوف کے یہاں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا یہ مقولہ بڑا مشہور ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ.

ترجمہ: جس نے اپنی معرفت حاصل کر لی وہ رب کی معرفت سے بہرہ ور ہو گیا۔

اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو نہ پہچان سکا اسے معرفت الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی، اس کی تائید قرآن مقدس کی اس آیت (فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ) سے بھی ہو رہی ہے۔

(۲) نسیان اللہ، یعنی اللہ کو بھول جانا اس کی ذات یکتا اور اس کی صفات مثلاً قادر مطلق ہونا، سمیع و بصیر ہونا، خالق و مالک ہونا وغیرہ صفات سے غافل ہو جانا۔

یہ منافقین کی نشانی و پہچان ہے۔ قرآن مقدس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ م يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ط نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ط [التوبة: ٦٧]

ترجمہ: منافق مرد و عورت ایک دوسرے کے مددگار ہیں، برائیوں کا حکم دیتے، اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے منع کرتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول بیٹھے ہیں تو اللہ نے بھی انہیں چھوڑ دیا۔

(۳) نسیان عہد اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے وعدے کو توڑ دینا۔

اللہ رب العزت نے ہماری عبرت و نصیحت کے لیے یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی کا قرآن میں ذکر فرمایا ہے۔

سورۂ مائدہ، آیت: ۱۳ میں ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ج يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ لا وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ج [المائده: ١٣]

کہ اہل کتاب کی بد عہدی کی وجہ سے ہم نے انہیں اپنی رحمت سے دور فرما دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا یہ اللہ کے کلمات میں تحریف کرتے ہیں اور اکثر نصیحتوں کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

(۴) نسیان آخرت، یعنی آخرت سے غافل ہو جانا۔

جب کہ تصور آخرت ایک ایسا ہتھیار ہے جو انسانوں کو گناہوں سے دور کر کے اللہ کے قریب کر دیتا ہے، آج اکثریت ان لوگوں کی ہے جو زبانی قیامت کے دن کا اقرار کرتے ہیں لیکن دل میں اس قدر یقین نہیں پایا جاتا ہے جتنا ہونا چاہیے یہی وجہ ہے کہ آج ہم میں اعمال کی قلت پائی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ج [السجده: ١٤]

ترجمہ: قیامت کے دن کو بھلا دینے کا مزہ چکھو۔

وَ قِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَ مَاْوٰكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ O [جاثية: ٣٤]

ترجمہ: آج ہم تمہیں ویسے ہی چھوڑ دیں گے جس طرح

تم نے قیامت کو بھلا دیا تھا، اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

(۵) نسیان آیت اللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو بھلا دینا اور ان سے اعراض کرنا۔

یوں تو اللہ کے سوا جو بھی ہے وہ سب اللہ کی نشانیاں ہیں۔لیکن ان میں کچھ اہم نشانیاں مثلاً کتاب اللہ، انبیاء و رسل (علیہم السلام)، وارثین انبیاءؑ ہیں۔

کتاب اللہ کو ترک کر دینا انبیاء و رسل علیہم السلام کی باتوں سے اعراض کرنا اور انہیں تسلیم نہ کرنا، اللہ کے اولیاء سے عداوت رکھنا یہ سب نسیان آیات اللہ میں شامل ہیں جس پر سخت وعید سنائی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰىO [طٰہٰ: ۱۲۴]

ترجمہ: جس نے بھی میری یاد سے منہ پھیرا، اس کے لیے تنگ زندگی ہے، اور قیامت کے دن ہم اُسے اندھا اٹھائیں گے۔

اپنے معاشرے کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج اکثریت ان لوگوں کی ہے جن پر مذکورہ پانچ صورتیں صادق آتی ہیں، مثلاً: عمداً نماز چھوڑ رہے ہیں، روزانہ توبہ اور اللہ سے معاہدہ کرتے ہیں پھر توبہ شکنی اور عہد شکنی ہو رہی ہے، برسہا برس قرآن کریم کی تلاوت کا موقع نہیں ملتا بلکہ ہم خود نہیں چاہتے، کل تک حال یہ تھا کہ عزیز و اقارب کی موت پر دو چار پارے کی تلاوت ہو جاتی تھی اور آج حال یہ ہے کہ کھانے، کھلانے سے فرصت نہیں ملتی، اگر ہم اپنی زندگی میں توازن اور اعتدال قائم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہمارا وجود دو چیزوں کا مجموعہ ہے:

(۱) جسم (۲) روح

جسم کی پیدائش چوں کہ زمین سے ہوئی ہے، اس لیے اس کی ضرورتوں کی تکمیل ہمیں زمینی عناصر سے کرنی ہوگی، جسم کی بھوک و پیاس انہیں چیزوں سے ختم ہوگی جو زمین سے پیدا ہو، اور روح کی تخلیق نورِ الٰہی سے ہے اس لیے اس روح کی بھوک و پیاس نورانی غذا سے دور ہوگی، اللہ رب العزت نے انبیاء و رسل علیہم السلام کے ذریعے ہماری روحانی غذا نازل فرمائی ہے۔فرمانِ عالیشان ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌO

[المائدہ: ۱۵]

ترجمہ: واقعی تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور اور روشن کتاب آ گئی ہے۔

چنانچہ ایسی صورت میں جسم کو آسودہ کرنا اور روح کو بھوک و پیاس میں چھوڑ دینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اگر ہماری ساری توجہ جسمانی ضرورتوں کی تکمیل پر ہو، اور روحانی مطالبات سے ہم کوتاہی کر رہے ہوں تو یاد رکھیں کہ ہم انسان تو کہلائیں گے لیکن انسانیت ہم سے رخصت ہو چکی ہوگی۔

(بشکریہ ماہنامہ خضر راہ، مئی ۲۰۱۵ء) ☆☆☆

قرآن کا پیغام وقت برباد کرنے والوں کے نام

ابورِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی

وقت ایک عظیم نعمت اور خداوند قدوس کی عطا کردہ بیش قیمت دولت ہے۔ قوموں کے عروج وزوال میں 'وقت' نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جن قوموں نے وقت کے ساتھ دوستی رچائی، اور اپنی زندگی کے شام وسحر کو وقت کا پابند کر لیا، وہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے میں کامیاب ہوگئیں۔ صحراؤں کو گلشن میں تبدیل کر دیا، اور زمانے کی زمامِ قیادت اپنے ہاتھوں میں تھام لی؛ لیکن جو قومیں 'وقت' کو ایک بیکار چیز سمجھ کر یوں ہی گنواتی رہیں تو وقت نے انہیں ذلت ونکبت کی اَتھاہ گہرائیوں میں ایسا ڈھکیل دیا کہ دور دور تک کھوجنے سے آج اُن کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ لہٰذا ہوش کے ناخن لیں، اور اللہ تعالیٰ نے وقت کی شکل میں جو عظیم نعمت دے رکھی ہے اس کی قدر کریں؛ ورنہ یہ نعمت جلد چھن جانے والی ہے، اور پھر کفِ افسوس ملنے کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

موضوع کی مناسبت سے ہم یہاں وقت برباد کرنے والوں کو قرآن کے کچھ دوٹوک پیغام سنانا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ چشمِ تصور سے دیکھ سکیں کہ آج وقت کی بربادی کل انہیں عرصہ محشر میں کیا کچھ رسوائیاں دکھلائے گی۔ ملاحظہ کیجیے وقت کو برباد کرنے والوں کا خونچکاں انجام، حسرت وآس میں ڈوبی ہوئی اُن کی آہ وکراہ، نیز اُن کی بے مقصد التجا وفریاد کا ہوش ربا منظر۔ ان لوگوں کا قول نقل کرتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَاO [الاحزاب: ٦٦]

''اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کی ہوتی۔''

قرآن کریم نے دوزخیوں کی زبانی اُن کے اعترافِ حقیقت کو یہاں بیان کیا ہے کہ وہ وقت کے ضیاع پر کس طرح کفِ افسوس مَل رہے ہوں گے، اور وہ قیامت کا دن ایسا دن ہوگا:

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِO [غافر: ٥٢]

''جس دن ظالموں کو اُن کی معذرت فائدہ نہیں دے گی اور اُن کے لئے پھٹکار ہوگی اور اُن کے لئے (جہنم کا) برا گھر ہوگا۔''

ان کا یہ اعتراف و اِعتذار قبر سے اُٹھتے ہی شروع ہو جائے گا اور اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک کہ جنت و دوزخ کے درمیان موت کو لاکر ذبح نہ کر دیا جائے اور منادی یہ ندا نہ کر چلے کہ اے جنتیو! اب تمہیں ہمیشہ جنت ہی میں رہنا ہے کبھی موت نہ آئے گی۔ اور اے جہنمیو! تمہیں ہمیشہ دوزخ ہی میں رہنا ہے اور کبھی تمہیں موت نہ آئے گی۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب دوسرا صور پھونکا جائے گا تو وہ اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے، اور خوف و ہراس کے عالم میں تیزی سے بھاگے جا رہے ہوں گے، مارے شرم کے نگاہیں جھکی ہوں گی، ذلت کا طوق گلوگیر ہوگا اور روزِ محشر کی ہولناکیوں کو دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے:

قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَO [یس: ٥٢]

''ہائے ہماری کم بختی! ہمیں کس نے ہماری خواب گاہوں سے اُٹھا دیا، (یہ زندہ ہونا) وہی تو ہے جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوںؑ نے سچ فرمایا تھا۔''

الاعتقاد

ایسے عالم میں کافر و نافرمان کف افسوس ملنے کے سوا کچھ نہ کر سکے گا، مارے غصے کے اپنے ہاتھوں کو کاٹ کاٹ کھائے گا اور ندامت آگیں آواز میں کہہ رہا ہوگا:

يٰلَيْتَنِيْ اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًاO [الفرقان: ۲۷]

''اے کاش! میں نے رسولِ (اکرم ﷺ) کی معیت میں (آکر ہدایت کا) راستہ اختیار کرلیا ہوتا۔''

دنیا میں گمراہوں کی بری صحبتیں آج اُسے رہ رہ کر کوس رہی ہوں گی اور وہ بے بسی کے عالم میں کہے جارہا ہوگا:

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا O لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ط وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًاO [الفرقان: ۲۸- ۲۹]

''ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ بیشک اس نے میرے پاس نصیحت آجانے کے بعد مجھے اس سے بہکا دیا، اور شیطان انسان کو (مصیبت کے وقت) بے یارومددگار چھوڑ دینے والا ہے۔''

جب ساری امیدیں دم توڑ جائیں گے اور بظاہر کوئی سہارا نظر نہ آئے گا تو اس وقت وہ خالق و پروردگار کی جناب میں یوں عرض گزار ہوں گے:

رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ اَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍO [غافر: ۱۱]

''اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دوبار موت دی اور تو نے ہمیں دوبار (ہی) زندگی بخشی، سو (اب) ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، پس کیا (عذاب سے بچ) نکلنے کی طرف کوئی راستہ ہے۔''

لیکن صد افسوس! جب دنیا میں انہیں راہِ ایمان، صحیح عقیدے اور نیک کام کی طرف بلایا جاتا تھا تو وہ بدک کر بھاگتے تھے اور دنیوی زندگی کو حیاتِ سرمدی سمجھے بیٹھے تھے، آج اُن کے اندر احساس کی چنگاری جاگی تو کیا جاگی! یہ احساسِ ندامت اب اُن کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔

اب پروردگار عالم سب سے پہلے بہائم اور بے زبان حیوانوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ اگر سینگ دار بکری نے بے سینگ کی بکری پر کوئی ظلم کیا ہوگا تو اس کا بھی فیصلہ سنایا جائے گا جس سے اللہ کے کمالِ عدل کا اشارہ مل رہا ہے، پھر اس سے کہا جائے گا: مٹی بن جاؤ، تو وہ مٹی بن جائیں گے۔ کافر و نافرمان جب یہ منظر اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھے گا اور اپنے ٹھکانے کا سوچے گا تو بے ساختہ اس کے منہ سے ایک زور کی چیخ نکلے گی اور وہ کہے گا:

يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًاO [النبا: ۴۰]

''اے کاش! میں مٹی ہوتا (اور اس عذاب سے بچ جاتا)۔''

پھر اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور ہر انسان کو اس کا نامۂ اعمال تھما دیا جائے گا۔ کافر و نافرمان اپنے نامہ ہائے اعمال پیٹھ پیچھے سے بائیں ہاتھ میں لیں گے، اور جب اس میں اپنا سارا کچھ کیا دھرا لکھا پائیں گے تو کہہ اُٹھیں گے:

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّ لَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ج وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ط .....

[الکهف: ۴۹]

''ہائے ہلاکت! اس اعمال نامہ کو کیا ہوا ہے اس نے نہ کوئی

الاعتقاد

چھوٹی (بات) چھوڑی ہے اور نہ کوئی بڑی (بات)، مگر اس نے (ہر بات کو) شمار کرلیا ہے اور وہ جو کچھ کرتے رہے تھے (اپنے سامنے) حاضر پائیں گے،....''

یہ منظر اُن کے لئے بڑا دل سوز اور الم انگیز ہوگا، بے کسی اور بدحواسی کے عالم میں کہہ رہے ہوں گے:

يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ O وَ لَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ O يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَO مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ O هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْO [الحاقة: ٢٥-٢٩]

''ہائے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا گیا ہوتا۔ اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ ہائے کاش! وہی (موت) کام تمام کرچکی ہوتی۔ (آج) میرا مال مجھ سے (عذاب کو) کچھ بھی دور نہ کرسکا۔ مجھ سے میری قوت وسلطنت (بھی) جاتی رہی۔''

اس وقت اللہ جل مجدہٗ اپنے فرشتوں کو حکم دے گا:

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُO ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ O ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُO [الحاقة: ٣٠-٣٢]

''اسے پکڑلو اور اسے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر ایک زنجیر میں جس کی لمبائی ستر گز ہے اسے جکڑ دو۔''

چنانچہ ان کے ہاتھوں اور گردنوں میں طوق ڈال کر پابجولاں چہرے کے بل گھسیٹ کر انہیں آتشِ جہنم کے دہکتے ہوئے انگاروں کی نذر کردیا جائے گا، وہ چہرے جو پوری زندگی اللہ کے حضور جھکنے سے انکاری بے رہے آج آگ اُن کا برا حال کررہی ہوگی، شدتِ الم میں وہ پلٹیاں کھا رہے ہوں گے، تکلیف جب حد سے سوا ہوگی تو وہ پھر کہیں گے:

يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَاO [الاحزاب: ٦٦]

''اے کاش! ہم اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کی ہوتی۔''

پھر انہیں یاد آئے گا کہ وہ خود اتنے برے نہیں تھے بلکہ قوم کے سرداروں کی اندھی تقلید انہیں اس بھیانک نتیجے تک لے آئی ہے، چنانچہ اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے وہ عرض کناں ہوں گے:

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا O رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًاO [الاحزاب: ٦٧-٦٨]

''اے ہمارے رب! بیشک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہا مانا تھا تو انہوں نے ہمیں (سیدھی) راہ سے بہکا دیا۔ اے ہمارے رب! انہیں دوگنا عذاب دے اور اُن پر بہت بڑی لعنت کر۔''

پھر کفار ومشرکین فوج درفوج لاکر آتشِ جہنم میں جھونکے جائیں گے، اس منظر کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ O [الملك: ٨]

''جب اس میں کوئی گروہ ڈالا جائے گا تو اس کے داروغے ان سے پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہیں آیا تھا؟''

تو وہ اعترافِ حقیقت کرتے ہوئے جواب دیں گے:

بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۵ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ج اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍO [الملك: ٩]

الاعتقاد

”کیوں نہیں! بیشک ہمارے پاس ڈر سنانے والا آیا تھا تو ہم نے جھٹلا دیا اور ہم نے کہا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی، تم تو محض بڑی گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہو۔“

پھر اَشکِ ندامت برساتے ہوئے کہیں گے:

لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِO [الملك: ١٠]

”اگر ہم (حق کو) سنتے یا سمجھتے ہوتے تو ہم (آج) اہلِ جہنم میں (شامل) نہ ہوتے۔“

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ج فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِO [الملك: ١١]

”پس وہ اپنے گناہ کا اعتراف کرلیں گے، سو دوزخ والوں کے لئے (رحمتِ الٰہی سے) دوری (مقرر) ہے۔“

پھر یہ التجا کرتے ہوئے وہ اپنے رب کی بارگاہ میں گویا ہوں گے:

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ط [فاطر: ٢٧]

”اے ہمارے رب! ہمیں (دوزخ سے) نکال دے، (اب) ہم نیک عمل کریں گے اُن (اعمال) سے مختلف جو ہم (پہلے) کیا کرتے تھے۔“

تو انہیں جواب دیا جائے گا:

اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ط فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍO [فاطر: ٢٧]

”کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہتا وہ سوچ سکتا تھا اور (پھر) تمہارے پاس ڈر سنانے والا بھی آچکا تھا، پس اب (عذاب کا) مزہ چکھو، سو ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہ ہوگا۔“

اندازہ لگائیں کہ ایسے پر شدت غم و الم اور ایسی سخت ہولنا کیوں کے باوجود جہنم سے بچ نکلنے کی اُمید کا چراغ اُن کے نہاں خانوں میں جل رہا ہوگا تو اسی امید کے سہارے رندھی ہوئی پردرد آواز میں وہ اپنے پروردگار سے التجا کریں گے:

رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ O رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ O [المؤمنون: ١٠٦-١٠٧]

”اے ہمارے رب! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی اور ہم یقیناً گمراہ قوم تھے۔ اے ہمارے رب! تو ہمیں یہاں سے نکال دے، پھر اگر ہم (اسی گمراہی کا) اعادہ کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے۔“

تو مدتوں بعد اللہ جل مجدہ اُن کی تمنا کا جواب یوں دے گا:

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِO [المؤمنون: ١٠٨]

”اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔“

یہ جواب سن کر اُن کی رہی سہی امید کا ٹمٹماتا دیا بھی گل ہوجائے گا، اور اب وہ ہمیشہ یوں ہی آتشِ جہنم میں پڑے ہوں

گے، یہ بدلہ ہوگا اُن کی شامتِ اعمال اور برے کرتوتوں کا۔

قرآن بابانگِ دہل اعلان کرتا ہے:

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ط وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ O [البقرہ: ١٦٧]

''یوں اللہ انہیں ان کے اپنے اعمال انہی پر حسرت بنا کر دکھائے گا، اور وہ (کسی صورت بھی) دوزخ سے نکلنے نہ پائیں گے۔''

اس منظر کی عکاسی مولائے رومؒ نے اپنے مناجاتی رنگ میں کیا خوب فرمائی ہے، وہ کہتے ہیں:

دادۂ عمرے کہ ہر روزے اَزاں

کس نداند قیمت آن در جہاں

یعنی اے پروردگار! تو نے ہمیں ایسی زندگی بخشی ہے جس کے ایک روز کی قیمت دنیا میں کوئی نہیں جانتا کہ یہ ایک زندگی کتنی بیش قیمت ہے، اس کی ایک سانس میں انسان کافر سے مومن، فاسق سے ولی اور دوزخی سے بہشتی بن سکتا ہے؛ سو اگر کسی نے اس کی قیمت نہ جانی اور زندگی کو یوں ہی فضول و عبث کاموں کی نذر کرتا رہا تو موت کے وقت حسرت و یاس اسے ضرور دامن گیر ہوتی ہے کہ آہ! جس سانس میں ہم اللہ جل مجدہ کو راضی کر کے جنت کی دائمی رہائش حاصل کر سکتے تھے اس کو ہم نے دنیا کی عارضی لذتوں میں گنوا کر رکھ دیا اور موت کے وقت اب وہ مہلت ختم ہوگئی۔

وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ط وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ O [المنافقون: ١١]

اور اللہ کسی شخص کو ہرگز مہلت نہیں دیتا جب کہ اس کی میعادِ عمر ختم ہونے پر آجاتی ہے۔

اس وقت انسان کو اِس زندگی کی ایک سانس کی قیمت معلوم ہوگی کہ اگر بادشاہ اپنی ساری سلطنت حضرت عزرائیل علیہ السلام کے قدموں میں لا کر ڈال دے کہ مجھے ایک لمحہ کی مہلت دے دیں تاکہ میں توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لوں تو مہلت نہ ملے گی، لہٰذا اندازہ لگائیں کہ زندگی کتنی بیش قیمت ہے! پھر فرماتے ہیں۔

خرچ کردم عمرِ خود را دم بدم

در دمیدم جملہ را در زیر و بم

یعنی ہائے افسوس! ایسی قیمتی زندگی کے شب و روز کو میں نے زیر و بم اور لہو و لعب میں پھونک ڈالا۔ سو، اے اللہ! ہمیں توفیق دے کہ ہم تجھے یاد کر کے، تجھے راضی کر کے اور مہلتِ حیات سے پورا پورا فائدہ اُٹھا کر اَبدی کامیابی اور سرمدی سعادت سے بہرہ ور ہو سکیں۔

(جسے اس موضوع پر تفصیل و تحقیق درکار ہو وہ مضمون نگار کی مطبوع و معروف کتاب ''وقت ہزار نعمت'' کا مطالعہ کرے۔)

بشکریہ ماہنامہ ماہِ نور جولائی اگست 2013

قرآن کے حقوق اور ہماری ذمہ داریاں

مولانا الحاج حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی (امام وخطیب مسجد ہاجرہ رضویہ، جمشید پور، جھارکھنڈ)

کلامِ الٰہی، قرآن مجید کا نزول تاریخ انسانی کے لئے ایک عظیم انقلاب ہے۔ زندگی کے ہر موڑ پر ہماری بلکہ سارے انسانوں کی رہنمائی کرنے والا قرآن عظیم ہمارے درمیان موجود ہے۔ قرآن مجید رمضان المبارک میں لوحِ محفوظ سے منتقل ہوکر آسمان اول پر لایا گیا، جہاں سے آہستہ آہستہ ۲۳ رسال میں محمد الرسول اللہ (ﷺ) پر نازل ہوا۔ انسانوں کی ہدایت کے لئے اس میں صاف صاف بیانات و احکامات ہیں۔ قرآن کریم کے ۲۳ نام ہیں جن میں ایک نام فرقان ہے۔ یعنی کافروں ومومن، حلال وحرام میں فرق کرنے والی کتاب۔ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس و بینت من الهدی و الفرقان ۔ ترجمہ: رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کی ہدایت کے لئے اور رہنمائی کے لئے اور فیصلہ کی روشن باتیں ہیں اس میں۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۸۴، کنز الایمان)

قرآن کریم کسی خاص قوم یا ملک کے لئے نہیں نازل ہوا بلکہ ھدی اللناس تمام اولادِ آدم کے لئے ہادی ومرشد ہے اور اس کی ہدایت کی روشنی اتنی کھلی ہے کہ حق اور باطل بالکل ممتاز ہوجاتے ہیں۔ ہدایت ونصیحت وحکمت دینے والی کتاب تمام انسانوں کے لئے نصیحتِ الٰہی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر موجود ہے۔ حکمت، نصیحت، ہدایت اور ڈر کا اعلان قرآن کر رہا ہے۔ وَاذْکُرُوْ نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْکُمْ مِنَ الْکِتٰبِ وَالْحِکْمَۃِ یَعِظُکُمْ بِہٖ ط وَاتَّقُو اللّٰہَ وَاعْلَمُوْاَنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۔ ترجمہ: کتاب اور حکمت اتاری تمہیں نصیحت دینے کو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو اللہ سب جانتا ہے۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۲۳۱، کنز الایمان) دیکھو، کلامِ الٰہی قرآن مجید ایسی کتابِ ہدایت تمہیں عطا کی گئی ہے کہ اس نعمتِ عظمیٰ کا ہمیشہ خیال و پاس، تکریم وعزت کرنا ہے۔ تبھی تو تم اس احسانِ عظیم کی شکر گزاری کا حق ادا کر سکو گے۔ رب العزت نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں اپنی کریمانہ ہدایت عطا فرمائی ہیں جو عالمِ انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم ان پاکیزہ ہدایت کی جانکاری نہیں رکھتے یا جانکاری ہے تو ان پر عمل نہیں کرتے۔ قرآن کے حقوق بھی ہمارے اوپر ہیں۔ قرآن کے تئیں ہماری ذمہ داریاں بہت ہیں۔ اول اس کو حق اور سچ جانیں۔ ہر ہر حرف پر ایمان کامل رکھیں اور اس کے حقوق میں سے یہ ہے کہ اس کی تلاوت کریں۔ جو احکامات نازل ہوئے ہیں ان پر صدق دل سے عمل پیرا ہوں۔ انسانوں پر قرآن مجید کا یہ بھی حق ہے کہ دل وجان سے اس کی قدر کریں، اس لئے کہ یہ کلامِ الٰہی ہے۔ قرآن مجید کی طرف سے غافل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خود خدا کی عظمت سے بے خبر ہیں جو ہمارا خالق و رب ہے۔ جس نے اپنا کلام نازل فرما کر ہمارے لئے فلاح ونجات اور کامرانی کی راہیں کشادہ فرمادیں۔ قرآن کریم کی جو تلاوت کرتا ہے اور خالص نجات کی نیت کے ساتھ اس پر عمل کرتا ہے اس کو رفعت و بلندی عطا کرتا ہے اور جو دکھاوے کے لئے بغیر عمل کے اس کو پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو گرا دیتا ہے، ذلیل کرتا ہے۔ (مرقاۃ

شرح مشکوٰۃ، کشف القلوب جلد اول، صفحہ ۶۷۷) جو قرآن کا حق ادا نہیں کرتا ہے اور بحیثیت مومن قرآن کریم کے تئیں اپنی ذمہ داریاں نہیں ادا کرتا قرآن عظیم اللہ کی بارگاہ میں اپنے حمایتیوں (تلاوت کرنے والے، عمل کرنے والے) کی حمایت میں حجت کرے گا، سفارش کرے گا۔ وہیں اپنے ساتھ نا انصافی کرنے والوں (تلاوت نہ کرنے والے، بے عمل لوگ) کے خلاف شکایت کرے گا۔ (الحدیث) اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت فرماتا ہے اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۲۶) قرآن کا یہ حق بھی ہے کہ ہم اہتمام کے ساتھ اس کی تلاوت کریں اور تلاوت کے وقت قرآن کے احترام کو پوری طرح ملحوظ رکھیں۔ باوضو قرآن پڑھیں، سنجیدگی کو قائم رکھیں جس سے قرآن کی عظمت وشان ظاہر ہو۔ قلب شکر کے جذبے سے لبریز ہو۔ جب غضب کی آیتیں پڑھے سنے تو خوفِ خدا ہم پر طاری ہو اور خدا کی پناہ کے طالب ہوں۔ قرآن میں ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰـھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ط اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ط وَمَنْ یَّکْفُرْ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔ ترجمہ: جنہیں ہم نے کتاب دی ہے جیسی چاہئے اس کی تلاوت کرتے ہیں وہی اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے منکر ہوں وہی خسارے میں رہیں گے۔ (سورۃ البقرہ، آیت ۱۲۱) قرآن کی تلاوت کرنا قرآن کو پوری طرح سے پکڑنا یہ ایمان کی پہچان اور قرآن کا حق ادا کرنا ہوگا۔ قرآن کا یہ حق بھی ہے کہ اسے ہم زندگی کا رہنما بنائیں اور کتاب ہدایت مان کر پوری قوت سے اسے تھام لیں۔ اللہ نے اپنے نبیوں کو بھی فرمایا کہ کتاب کو مضبوطی سے تھام لیں، پکڑ لیں۔ قرآن میں ہے یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَ اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ ترجمہ: کتاب کو مضبوطی سے تھام لو ہم نے اس کو بچپن ہی میں نبوت عطا کی (سورۃ مریم، آیت ۱۲) قرآن کے تئیں ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم محض اس کی تلاوت پر اکتفا نہ کریں بلکہ قرآن کو سمجھیں اور اس کی رہنمائیوں سے پورے طور پر مستفید ہوں۔ قرآن کے حکم اور مطالب و مفاہیم کو سمجھنے کی سرے سے فکر ہی نہ ہو، دلچسپی ہی نہ ہو یہ قرآن کی بڑی حق تلفی ہے۔ قرآن کے مستند ترجموں سے فائدہ اٹھائیں۔ خصوصیت کے ساتھ ترجمہ اعلیٰ حضرت، حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ (کنز الایمان) کو مطالعہ میں ضرور رکھیں۔ قرآن ان لوگوں سے شاکی ہے جو قرآن میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے۔ چنانچہ فرمایا گیا اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا۔ ترجمہ: انہیں کیا ہو گیا ہے تو کیا وہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر قُفل (تالے) لگے ہوئے ہیں؟ (سورۃ محمد، آیت ۲۴) جس کے دل پر تالا لگ جائے وہ خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔ قرآن ایسی کتاب ہے جسے سمجھنے کے لئے ذہن وفکر کی کشادگی کے ساتھ عشقِ رسول کا ہونا بھی بے حد ضروری ہے ورنہ عشق رسول کے بغیر نہ ہدایت نصیب ہوگی نہ فائدہ۔ ایسے لوگوں کو مایوس ہی ہونا پڑے گا۔ قرآن ہمیں احکام ہی نہیں دیتا۔ قرآن کی تمام آیتیں کم وبیش چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) ہیں جن میں صرف پانچ سو آیتیں ایسی ہیں جن کا تعلق فقہی احکام سے ہے۔ باقی آیات ہماری فکری، علمی اور عمل وتربیت کے لئے نازل ہوئی ہیں اور اس لئے نازل

ہوئی ہیں کہ وہ میدانِ عمل میں اتاریں اور ہم پر جو منصبی فرائض ہیں ان کو ادا کرنے کے لئے ہمیں آمادہ کریں جو امت مسلمہ کو اس دنیا میں ادا کرنے کے ذمہ داری دی گئی ہے۔قرآن سے بے نیاز ہوکر نہ ہم اپنی صحیح تربیت کر سکتے ہیں اور نہ اپنے رفقائے کار کی تربیت کر سکتے ہیں۔ضرورت ہے کہ قرآن کے تیئں ہم اپنی ذمہ داریاں ادا کریں بلکہ دل و جان سے اس پر عمل بھی کریں اور ہم سب یہ طے کریں کہ اس کتاب سے دنیا کو خصوصاً برادران وطن کو واقف کرائیں۔اس لئے دنیا کو آج جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ سچی رہنمائی اور ہدایت ہی ہے اور یہ نعمت کلامِ الٰہی قرآن سے حاصل ہوگی۔

سب کتابوں سے بڑا قرآن ہے

یہ ہمارا دین ہے ایمان ہے

ہم کریں گے اس کی عزت اور مدد

جسم میں جب تک ہمارے جان ہے

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

اللہ ہم تمام لوگوں کو کلامِ الٰہی قرآن مجید کے تیئں ذمہ داری نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین، ثم آمین!(

(Mob.:09386379632

e-mail:hhmhashim786@gmail.com

☆☆☆☆☆

ضروری اعلان

جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ حضرت امیر شریعت علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاری نور اللہ مرقدہ کو سرپرست انجمن حضرت فقیر ملّت سید میرک شاہ صاحب کاشانی علیہ الرحمہ نے انجمن تبلیغ الاسلام کی امارت کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔تاریخ گواہ ہے آپؒ نے اس ذمہ داری کو بخوبی نبھایا۔آپؒ نے ''حنفی مسلک صوفی مشرب'' کو بطورِ مشن اپنایا اور عقائدِ اہلِ سنت والجماعت کی تشریح و ترویج کیلئے انتہائی کوشش کی۔

حضرت علامہؒ کو اس مشن میں مخلص ساتھی بھی ملے جنہوں نے ہر قدم پر ان کا ساتھ دیا۔مشکل گھڑیوں میں اپنی وفا داری نبھائی۔ان کی ہر آواز پر لبیک کہا۔قدمے، سخنے، درہمے غرض ہر طریقے سے مدد و تعاون دیا..........ان مخلص ساتھیوں میں کچھ ہم عصر علماء بھی تھے اور کچھ اُن کے شاگرد اور کچھ نے حنفی عربی کالج میں اپنے خدمات انجام دیں۔

ماہنامہ ''**الاعتقاد**'' انہی مخلص حضرات کے لئے ایک نئے کالم کا آغاز کر رہا ہے۔جس میں ان کی مختصر حالاتِ زندگی اور حضرت علامہؒ کے ساتھ ان کے تعلق کو اجاگر کیا جائے گا۔جو ہماری طرف سے اُن کو خراجِ عقیدت بھی ہوگا اور ساتھ ہی نسلِ نو بھی اپنے شاندار ماضی سے آگاہ ہوگی۔

اگر آپ بھی کسی ایسی شخصیت سے واقف ہیں تو نیچے دیئے گئے فون نمبر پر فون یا میسج کریں تاکہ ان کی اولاد و احفاد سے رابطہ قائم کیا جائے، اور ان سے معلومات حاصل کی جائیں۔

Mobile No.: **9796525191**

E.Mail: **alaitiqaadjk@gmail.com**

علم میراث کی اہمیت وافادیت

عبدالرؤف قادری جامعی (استاذ دارالعلوم انوار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، سہلاؤشریف (راجستھان)

انسانی زندگی میں ہر وہ تعلیم حاصل کرنا چاہیے جو اس کے لئے کارآمد ثابت ہو۔ ویسے تو ہر ایک علم اپنے اندر فضائل اور کمالات رکھتا ہے مگر جو فضائل و کمالات کا درجہ علم قرآن و حدیث اور فقہ وفرائض "علم میراث" کو حاصل ہے وہ درجہ، دیگر علوم وفنون کو حاصل نہیں۔ فقیر یہاں پر صرف علم فرائض کے تعلق سے کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہے۔

فرائض جمع ہے فریضہ کی جس کی اصطلاحی معنی ہے ہر وہ شریعت کا حصہ جس پر عمل کرنا ضروری ہو۔ اس کا اطلاق مقررہ حصہ پر بھی ہوتا ہے، اسی وجہ سے علم میراث کے مسائل کو علم الفرائض سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یعنی ایسے قواعد اور ضوابط کا جاننا جس کی مدد سے میت کے وارثوں میں ہر ایک وارث کا حصہ میت کے ترکہ (جو مال میت نے چھوڑا ہو) اسے جانا جا سکے۔ اسلام، فضل وکرم کا ایک ایسا نظام ہے جو ہر چھوٹے و بڑے، امیر وغریب اور آقا وغلام سب پر برابر ہر ایک کو اپنا حق دلاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے ترکہ کو تقسیم کرنے کا اختیار کسی انسان کے ذمہ نہ کیا اور نہ ہی اس کو وراثت چھوڑنے والے شخص کی رائے اور اجازت پر مکمل طور سے موقوف رکھا بلکہ خود خالق کائنات نے ہر ایک کے حصہ کو مقرر و متعین فرما دیا جیسا کہ اللہ عزوجل نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ج فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ج وَ اِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ط وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ج فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ج فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ط اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ط فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا O

[النساء: ۱۱]

اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے پھر اگر صرف لڑکیاں ہوں اگر چہ دو سے اوپر تو ان کا ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا آدھا اور میت کے ترکہ سے ماں باپ میں سے ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا، اگر میت کے اولاد پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑ جائے تو ماں کا تہائی، اگر اس کی کئی بھائی بہن ہوں تو ماں کا چھٹا بعد اس وصیت کے جو کر گیا اور دین (قرض) کے، تمہارے والد تمہارے بیٹے اور تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا۔ اللہ کی طرف سے یہ حصہ باندھا ہوا ہے۔ بے شک اللہ علم وحکمت والا ہے اور تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے، اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اگر ان کی اولاد ہو تو ترکہ میں تمہیں چوتھائی ہے جو وصیت کر گئیں اور دین (قرض) نکال کر۔ تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ اگر تمہاری اولاد ہوئی ان کا تمہارے ترکہ میں آٹھواں ہے جو وصیت تم کر جاؤ اور قرض نکال کر۔ اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہے جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن ہے تو پھر ان میں سے ہر ایک کو چھٹا۔ اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا۔ یہ اللہ کا ارشاد

الاعتقاد

ہے اور اللہ علم وحلم والا ہے۔

مذکورہ آیتِ مقدّس سے معلوم ہوا کہ ترکہ کا جو قانون ہے وہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ قانون ہے جس میں کسی انسان کی مرضی کا دخل نہیں اور یہ قانون "علم فرائض" سے مشہور ہے۔

علم فرائض وہ علم ہے جس کے سیکھنے اور سکھانے کی وضاحت خود خدا اور رسول ﷺ نے بیان فرمادی ہے اور اس کا ہر ہر حصہ قرآن وحدیث سے منصوص و ماخوذ اور اجماع سے متعین ہے۔ یہی وہ علم مبارک ہے جس کے مسائل وہم وگمان اور قیاس آرائیوں سے خالی اور جس کے تعلق سے سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: تعلموا الفرائض و علموها الناس فانها نصف العلم ۔علم فرائض خود سیکھو اور دوسروں کو اس علم کی تعلیم دو کیوں کہ یہ علم تمام دینی علوم کا نصف (آدھا) علم ہے۔ اس علم کے نصف علم قرار دینے کی وجہ علمائے عظام نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انسان کی دو حالتیں ہوا کرتی ہیں ایک زندگی اور دوسری حالت میت۔ دیگر علوم کا تعلق صرف زندگی کے حالات سے متعلق ہوتے ہیں جب کہ علم فرائض کا تعلق موت کے بعد کی حالت سے ہے یعنی میت نے ترکہ (جو مال) چھوڑا ہے اس سے ہے۔ اس وجہ سے علم میراث کو نصف علم قرار دیا گیا ہے اور حقیقی علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

مذکورہ حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ علم فرائض کی بہت بڑی فضیلت اور اہمیت ہے۔ اس علم کی تعلیم کی دورِ حاضر میں سخت ضرورت ہے۔ اگر ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقدّس دور کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ صحابہ عظام رضی اللہ عنہم نے اس کے فوائد اور اہمیت کو سمجھ کر بڑی محنت اور کوشش کے ساتھ اس علم سے خود آراستہ ہوکر دیگر لوگوں تک پہنچایا۔

مگر بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج اکثر لوگ اس طرح کے ضروری مسائل سے ناواقف ہیں بلکہ ہمارے کچھ ایسے بھی بھائی ہیں جو نماز اور روزہ جیسی عبادت کے سیکھنے سے جی چراتے ہیں یہیں تک بس نہیں بلکہ ہماری اکثریت اسلامی طور طریقہ، اسلامی وضع وقطع اور حقوق اللہ وحقوق العباد سے دور بھاگ رہی ہے۔

آج جس قدر حقوق اللہ کے بارے میں ہماری غفلت ہے اس کے کہیں زیادہ حقوق العباد کا فقدان ہے لوگ ایک دوسرے کی حق تلفی میں اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ حلال و حرام کی تمیز ختم ہو چکی ہے، ماں اور بہن کے حقوق دبائے جارہے ہیں، باپ کے ترکہ سے بیٹی کو محروم کیا جارہا ہے، بیوی کو شوہر کی وراثت سے روکا جارہا ہے بلکہ اس پرفتن دور میں ہزاروں کی تعداد میں لڑکیوں کو جہیز کے نام سے قتل کیا جارہا ہے بہت سی لڑکیاں اپنی زندگی سے پریشان ہوکر پھانسی کے فندے کو چوم لیتی ہیں۔ اس طرح کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن کا حل بہت ضروری ہے۔ آج اگر علم میراث کو عام کیا جائے تو میراث کے مسائل و دیگر مسائل جن کی آج معاشرے میں سخت ضرورت ہے کافی حد تک ان کا تدارک ممکن ہے اور معاشرہ کو خراب رسموں سے پاک کیا جاسکتا ہے۔

اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہم سب کو علم میراث کے مسائل سیکھنے اور سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم۔ ☆☆☆

قرآن میں عورت کا مقام

سیدہ شائستہ بخاری (بنتِ سید مبارک بخاری؛ آروہ پیروہ)

دورِ حاضر میں جہاں نسوانی تحریکیں عروج پر ہیں اور خواتین اپنے مقام اور حقوق کو سیمناروں، سیمپوزیمز اور بحث و مباحث میں تلاش کرتی پھر رہی ہیں ایسے میں ہمارا فرض بنتا ہے کہ ان کو یاد دلایا جائے ان کا اصل رہنما اور اصل مشیر کہیں دور نہیں بلکہ ان کے کمرے کے اس شلف پر پڑی غلاف کے اندر موجود ہے جس سے مشورہ لینا تو دور، آپ نے کبھی کھول کر پڑھنے کی کوشش بھی نہ کی، حالانکہ آپ کے ہر چھوٹے بڑے مسئلے کا حل اس مصحف میں موجود ہے بشرطیکہ آپ صحیح معنوں میں اس کی آیات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو یقیناً احساسِ محرومی کا شکار ہونے کے بجائے ہمیں اپنے آپ پر فخر محسوس ہوگا اور پھر شاید کبھی مردوں سے مقابلہ کرنے اور مردوں جیسا حلیہ بنا کر مرد ہونے کا ثبوت نہ دینا پڑے بلکہ خود کو عورت کہلانا ہمارے لئے باعثِ فخر ہوگا۔

سورۃ النساء آیت نمبر ا میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُواْ رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَنِسَاء وَاتَّقُواْ اللّهَ الَّذِيْ تَسَاءلُونَ بِهِ وَالأَرْحَامَ إِنَّ اللّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباًO

ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بکثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا، اور ڈرو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابتوں (میں بھی تقویٰ اختیار کرو)، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے۔

اور سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا ان پر حق ہے موافق دستور کے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

ترجمہ: جس نے نیک کام کیا چاہے وہ مرد ہو یا عورت اور وہ یقیناً مومن ہے۔

اسی طرح سورہ آل عمران آیت 195 میں فرمایا:

لاَ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ

ترجمہ: کہ میں تم میں کام والے کی محنت اکارت نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو۔

مذکورہ آیات کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دینِ اسلام میں عورت کا درجہ وہی ہے جو مرد کا ہے۔ حیثیت، حقوق اور آخرت کے انعامات میں دونوں کے درمیان فرق نہیں، البتہ اسلام کے نزدیک مرد، مرد ہے اور عورت، عورت۔ اسلام میں مرد اور عورت ایک دوسرے کے ثنی نہیں ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کا تکملہ ہیں یعنی ایسا نہیں جو مرد ہے وہی عورت ہے اور جو عورت ہے وہی مرد ہے بلکہ دونوں میں ناقابلِ عبور قسم کے حیاتیاتی فرق پائے جاتے ہیں۔ یہ فرق تقسیم کار کی حکمت پر مبنی ہے۔ وہ اس اعتبار سے کہ مرد کی کمی کی تلافی عورت پوری کرے اور عورت کے اندر جو کمی ہے وہ مرد کے ذریعے پوری ہو۔ گویا مرد اور عورت کے بیچ کا فرق محض انتظام کی بنیاد پر ہے

کہ اعزاز کی بنیاد پر تا کہ کائنات کا نظام احسن طریقے سے چل سکے۔ باقی اللہ کی قربت اور رضا مندی حاصل کرنے کے لئے عورت کے لئے بھی وہی احکام ہیں جو مردوں کے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں..ان سب کے لئے اللہ نے بخشش اور بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

ان آیات میں واضح طور پر ان صفات کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں طور پر اپنانے کی تلقین کی گئی ہے اور جہاں مرد کا نام آیا ہے وہاں عورت کا نام بھی شامل ہے۔

یہ اسلام ہے جس نے عورت کو معاشرے میں جائز حق دلایا اور بیٹی کی پیدائش کو باعثِ رحمت قرار دیا۔ عورتوں سے حسنِ سلوک کی تلقین کی، اسے وراثت کا حق دیا۔ خود نبی پاک ﷺ نے بیوہ سے نکاح فرمایا۔ جہاں مرد کو طلاق تو عورت کو خلع کا حق دیا۔ تعلیمِ نسواں کی تلقین کی۔ یہاں تک کہ ہنگامی حالات میں عورت کو کسبِ معاش کی بھی اجازت دی۔

تاریخِ اسلام میں ایسی بے شمار خواتین گزری ہیں جو صحیح معنوں میں آزاد اور خود مختار رہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وقت کی عظیم عالمہ رہی ہیں جن سے صحابہ کبار رضی اللہ عنہم بھی مشورہ اور علم حاصل کرتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت خولہ، حضرت حلیکہ اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہن تجارت پیشہ خواتین رہی ہیں۔ حضرت عمارہ اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسی خواتین بھی نظر آئیں گے جنھوں نے جنگوں تک میں حصہ لیا۔ حضرت آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کون واقف نہیں جس نے اذیتیں برداشت کیں مگر حق کا ساتھ نہ چھوڑا اور کبھی فرعون کی غلامی اختیار نہ کی اور رب سے جنت میں نبی اکرم ﷺ کی صورت میں عظیم ترین انعام کا وعدہ لیا اور اس سے زیادہ سر بلندی کا مقام ایک خاتون کے لئے کیا ہو سکتا ہے کہ ماں کی صورت میں اس کے قدموں تلے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

غرض اسلام وہ واحد دین ہے جس نے ایک خاتون کو عظمت عطا کی اور میری سب بہنوں سے بھی گزارش ہے کہ براہ کرم اس پُر فتن دور کے کھوکھلے نعروں میں آکر خود کو کنفیوز (Confuse) نہ کریں بلکہ خود کو قرآن وسنت کی روشنی میں تلاش کریں؛ یقیناً آپ کے ہر ممبو کے بڑے مسئلے کا حق قرآن پاک میں موجود ہے۔ ☆☆☆

ادارہ

تبلیغی و تنظیمی کاروائیاں

انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر کی طرف سے امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خراجِ عقیدت

سری نگر:// حسبِ روایت مورخہ یکم رمئی 2017ء مطابق ۴رشعبان المعظّم ۱۴۳۸ھ انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر کے اہتمام سے امام اعظمؒ مسجد حنفی عربی کالج نُور باغ سرینگر میں ایک باوقار یک روزہ امام اعظم رضی االلہ عنہ کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ کانفرنس کی صدارت صدر انجمن مولانا سید فرید الرحمان بخاری صاحب نے فرمائی۔ کانفرنس کا باضابطہ آغاز تلاوتِ کلام اللہ اور نعتِ رسول مقبول ﷺ سے ہوا جس کے بعد طلباءِ حنفی عربی کالج نے اردو اور انگریزی میں حضرت امام العالم، سراج الامہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت اور فقہ حنفی کی اہمیت و اِفادیت پر مقالات پڑھے۔ کانفرنس میں انجمن سے وابستہ علماء کرام نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تئیں عقیدت کا خراج پیش کیا۔ صدر انجمن شمالی کشمیر حضرت مولانا محمد سعید قادری صاحب نے اپنے منفرد انداز میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شان اور فقہ حنفی کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ مسائل میں امام حنیفہؒ کی پیروی کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے عقائد کا بھی جاننا بے حد ضروری ہے۔ انہوں نے مذید فرمایا کہ امیر شریعت حضرت علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاری علیہ الرحمہ نے حنفی عربی کالج کی بنیاد ڈالی تا کہ یہاں سے طلباء فارغ ہو کر فقہ حنفی کے ساتھ ساتھ صوفی مشرب کی بھی نشر و اشاعت میں اپنا بھر پور کردار ادا کریں۔ اور یہ کہ دنیا میں امن صوفیاءِ کرام رحمھم اللہ کے طریقۂ دعوت پر عمل پیرا ہونے سے ہی قائم ہوسکتا ہے۔ مولانا عطاءاللہ نور آبادی (سکریٹری زون نور آباد) نے بھی اپنی مدلل تقریر میں امام العالمؒ کی عظمت کو بیان فرمایا۔ مولانا گلزار احمد نائیکو (مہتمم دارالعلوم ہائے انجمن جنوبی کشمیر) نے بھی ان کوششوں کو سراہا جو حضرت علامہ بخاریؒ صاحب حنفی مسلک اور صوفی مشرب میں کی ہیں اور ساتھ ہی موجودہ صدر صاحب کی بھی تعریف کی کہ انہوں نے اپنے والدِ محترم کی ان روایات کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ ان میں چار چاند لگانے کی بھر پور کوشش کر رہے ہیں۔ مولانا غلام احمد سہروردی صاحب (جنرل سکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام) نے حضرت امام العالمؒ کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے ان کے زہد و تقویٰ کا ذکر فرمایا اور اپنے اُستادِ محترم علامہ بخاریؒ کی امام اعظمؒ کے تئیں محبت و عقیدت کا ذکر کیا۔ انہوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلویؒ کو بھی مسلکِ اہل سنت والجماعت کی بے لوث خدمات پر شاندار الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اس مقدس تقریب میں پروفیسر غلام حسن زرگر صاحب (مدیر ماہنامہ ''الاعتقاد'')، مولانا سید مشتاق احمد کھوسپوری صاحب (صدر انجمن ضلع سرینگر)، جناب غلام حسن اصغر صاحب (صدر انجمن ضلع اسلام آباد)، جناب علی محمد بٹ صاحب (صدر زون مرہامہ نور آباد)، مولانا غلام جیلانی صاحب (دربارِ کاشانیہ شالیمار)، جناب عبدالغنی رنگریز صاحب (یاری پورہ) اور مولانا سید حامد رضا صاحب (کھاگ) نے بھی اپنے خطابات سے نوازا۔ مولانا مشتاق احمد مسعودی (پبلسٹی سیکریٹری انجمن تبلیغ الاسلام) نے ڈائس انچارج کے فرائض انجام دیئے۔ آخر پر صدر انجمن حضرت مولانا سید فرید الرحمان بخاری صاحب نے علماء کی موجودگی میں انجمن کی آفیشل ویب سائٹ **www.atijk.com** کا افتتاح کیا اور شرکاءِ مجلس کا شکریہ ادا کیا۔ سلام اور دعا کے ساتھ ہی مجلس اختتام کو پہنچی۔ **(رپوٹ: سید آصف رضا)**

انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر زون بیروہ کی طرف سے ایک دینی مجلس کا اہتمام

آروہ بیروہ کی جامع مسجد میں انجمن تبلیغ الاسلام جموں و کشمیر کے زون بیروہ کی طرف سے یکم مئی ۲۰۱۷ء کو مغرب تا عشاء ایک دینی مجلس کا اہتمام کیا گیا۔ مجلس کی صدارت انجمن تبلیغ الاسلام ضلع بڈگام کے سرپرست مولانا سید مبارک بخاری نے کی۔ صدر انجمن ضلع بارہمولہ مولانا محمد مظفر قادری صاحب نے اس موقعہ پر عالمانہ و عاشقانہ خطاب فرمایا۔ آپ نے نفس کی حقیقت پر اپنے مخصوص انداز میں مدلل خطاب فرما کر سامعین کے قلوب کو منور فرمایا۔ مجلس کے بعد اراکین انجمن کے ساتھ خصوصی ملاقات کا اہتمام بھی کیا گیا۔ نومنتخب صدر زون بیروہ جناب سید گلزار احمد صاحب نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس موقعہ پر سید آصف رضا (معاون مدیر ماہنامہ الاعتقاد و صدر زون نارہ بل) اور جناب سید عارف احمد قادری صاحب (صدر یونٹ نارہ بل) بھی موجود تھے۔ سیکریٹری زون بیروہ سید مشکور بخاری نے ڈائس انچارج کے فرائض سنبھالے اور پروگرام کے کامیاب انعقاد کے لئے صدر یونٹ جناب عبدل غنی صوفی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

(رپوٹ: سید مشکور بخاری)

انجمن تبلیغ الاسلام جموں وکشمیر کے حلقہ متی پورہ (ربن) کولگام میں درسگاہ سیدنا عثمان غنیؓ کی باڑی بنائی گئی

حلقہ متی پورہ ربن میں فعال درسگاہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی باڈی زیر صدارت مولانا مشتاق احمد خان صاحب صدر جنوبی کشمیر انجمن تبلیغ الاسلام چنے گئے اور ان کے اسماء گرامی یوں ہیں:۔

۱۔صدر درسگاہ: غلام محمد خان ولد حاجی عبدلاحد خان صاحب
۲۔خزانچی: عبدالطیف خان ولد الحاج منظور احمد خان صاحب
۳۔ناظم درسگاہ: ماسٹر آزاد احمد راتھر والد حاجی عبدالغنی راتھر صاحب
۴۔معاون درسگاہ۔ مولوی محمد اشفاق خان ولد محمد آزاد خان صاحب
ممبران درسگاہ: ۱۔عبدالحمید بٹ ولد حاجی عبدالستار بٹ صاحب ۲۔وسیم احمد شیخ ولد فاروق احمد شیخ صاحب
۳۔ظہور احمد خان ولد بشیر احمد خان صاحب ۴۔دلاور احمد لون ولد محمد اکبر لون صاحب ۵۔محمد اکبر راتھر ولد حاجی عبدالغنی راتھر صاحب ۶۔سیار احمد خان ولد الحاج گل محمد خان صاحب ۷۔محمد اشرف لون ولد محمد اکبر لون صاحب
۸۔بشیر احمد خان ولد الحاج عبدالاحد خان صاحب

(الداعی: مولوی اشفاق خان صاحب[متی پورہ، ربن])

لوتر وعیشمقام میں زیارت شریف حضرت زین الدین ولی رحمتہ اللہ علیہ ایک پروقار تقریب۔

مورخہ ۲۴/اپریل ۲۰۱۷ء سنیچروار مطابق ۲۶/رجب المرجب ۱۴۳۸ھ کو دربار قادریہ لوتر وعیشمقام کی طرف سے زیر سرپرستی فقیر ملت خاکسار غلام قادر صاحب زیارت شریف حضرت زین الدین ولی رحمتہ اللہ علیہ میں ایک چادر شریف نذر فرمائی گئی۔ اس مبارک موقعہ پر درود اذکار اور ختمات المعظمات کی ایک شاندار اور پروقار تقریب سعید کا انعقاد کیا گیا۔ مجلس

میں وادی کشمیر کے مایہ ناز اور مقتدر علماء حضرات نے شرکت فرمائی مجلس کی صدارت مولانا محمد افضل قادری صاحب نے کی آخر پر ایک خیر و عافیت کیلئے ایک دعائیہ مجلس کا انعقاد ہوا۔

(سیکریٹری دربار القادریہ)

جنوبی کشمیر میں مدارس کا معاینہ

جموں وکشمیر انجمن تبلیغ الاسلام کے ہدایات کے تحت انجمن تبلیغ الاسلام جنوبی کشمیر کے اراکین تعلیمی بورڈ ومعاینہ ٹیم نے ماہ مارچ واپریل ۲۰۱۷ء میں ضلع اسلام آباد (اننت ناگ) وکلگام کے مختلف تعلیمی اداروں کا معاینہ کیا۔محترم غلام نبی راتھر صاحب ناظم تعلیم جنوبی کشمیر کی سربراہی میں محمد امین صاحب کرنگسو، گل محمد بٹ صاحب رمبہامہ، حاجی فاروق صاحب زینہ پورہ اور نیشنل ایوارڈی ہیڈ ماسٹر عبدالحمید شیخ نے سکولوں کا دورہ کر کے تعلیمی اور انتظامی امورات کا یہ تفصیلی جایزہ لے کر متعلقین کو مناسب ہدایات دئے۔اداروں کے سربراہان ، منتظمین اور والدین کو طلباء کیلئے معیاری تعلیم فراہم کرنے کی تاکید کی گئی ۔سکولوں کیلئے مناسب ،مکانیت ، تعلیمی سازوسامان کی فراہمی اور اسٹاف کی مناسب اور بروقت تعیناتی پر زور دیا گیا۔درج ذیل سکولوں کا معاینہ کیا گیا:

بلا لیہ حنفیہ سکول کیموہ ،ہائی سکول فرصل ،حنفیہ سکول بدرو ،مڈل سکول ٹونگڈو ،ہائی سکول عالم گنج ،حنفیہ انسٹیچوٹ ریشی پورہ ،دارالعلوم بخاریہ عالم گنج ،دارالعلوم مٹی بگ ،اسلامی سکول گھاٹ کیموہ ،مڈل سکول بھان ،حنفیہ ہائی سکول اشموجی ،ہائی سکول ہوانِد چولگام ،حنفیہ انسٹیچوٹ ڈی کے مرگ ،حنفیہ سکول چمر ،دارالعلوم شیخ العالم چمر ،ہائی سکول مرہامہ ،بہلول حنفیہ سکول آونیرہ ،حنفیہ زینہ پورہ ،حنفیہ سکول ماچھو ،جی۔بی سکول یاری پورہ ،مڈل اسکول برینٹی ، حنفیہ ہائی سکول اچھابل ،غوثیہ سکول کہری بل ،حنفیہ سکول نانل ،ہائی سکول سیر ہمدان ، پبلک سکول خیار ، بارش اور سیلاب کی وجہ سے حنفیہ سکول چھمب گنڈ ، اشتھل اور ربن بند تھے۔فرصل کے سابق تحصیلدار عبدالسلام وانی صاحب کے ساتھ ٹیم کے ساتھ مرہامہ وغیرہ کا دورہ کیا۔نورآباد علاقے میں برف نے ٹیم کا استقبال کیا اور وہاں پر اساتذہ نے سخت محنت کر کے سڑک اور صحن مدارس سے برف اُٹھوا کر امتحان منعقد کیا تھا۔اراکین ٹیم نے مرحوم عبدالصمد مشتاق صاحب رکن انجمن کے گھر ہوانِد چولگام جا کر تعزیت اور فاتحہ خوانی میں شمولیت کی ۔اس کے علاوہ حاجی عبدالرحمان ڈار صاحب چمر نورآباد جا کر عیادت اور دعائے شفاء کی مجلس میں شمولیت کی۔

(عبدالحمید شیخ نیشنل ایوارڈی۔دفتر جنوبی کشمیر کیموہ)

نُورآباد کی تبلیغی کارروائیاں

مورخہ ۲۲ر جمادی الثانی ۱۴۳۸ھ کو بقعہ حسینی دینوکنڈ یمرگ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے موئے مقدس کی زیارت کرائی گئی۔ اس سلسلے میں مولانا عطاءاللہ نورآبادی صاحب نے بعدِ نمازِ مغرب سیرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر مدلل روشنی ڈالی۔ مجاور محمد یٰسین ملک صاحب اور حاجی قمرالدین شاہ صاحب نے زیارت کروائی۔ پیر غلام نبی صاحب ڈورو اور خواجہ علی محمد بٹ صاحب نے نعت و منقبت پیش کئے۔

مورخہ یکم رجب المرجب ۱۴۳۸ھ کو الحاج قمرالدین شاہ صاحب کی دعوت پر زیارت حسینیؑ دینوکنڈ یمرگ (بقیہ ص 88 پر)

الحاج عبدالصمد مشتاق ساکنہ چولگام کولگام کا سانحہ ارتحال

محترم المقام الحاج عبدالصمد مشتاق صاحب انجمن تبلیغ الاسلام کے ہمدرد اور مایہ ناز ممبر اور رکن ۲۵/ مارچ ۲۰۱۷ء اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ آپ نے تحصیل و ضلع کولگام میں علامتہ العصر مولانا سیّد محمد قاسم شاہ صاحب بخاری نوراللہ مرقدہٗ کے دور سے آج تک نہایت جانفشانی اور احسن طریقے سے خوش اسلوبی کے ساتھ تن من اور دھن کے ساتھ انجمن کے کاموں ہیں پیش پیش رہے اور کمینسٹوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ ضلع بھر میں علامہ بخاری علیہ الرحمہ دعوت دے کر کمونسٹوں کا پردہ فاش کیا۔ آج مرحوم مشتاق صاحب کا ایک اسلامی ہائی اسکول ان کی انتھک کوششوں کا زندہ جاوید کانامہ ہے جو اس وقت انمن تبلیغ الاسلام کے تحت چالو ہے۔ آپ کے انتقال کی خبر سن کر مرکزی ٹیم زیر قیادت مولانا سیّد فریدالرحمان بخاری صدر انجمن صاحب تعزیت کے گھر تشریف لے گئے۔ اور مرحوم کے لواحقین خاص کر فرزندان محمد یعقوب ڈار، محمد ایوب ڈار، منظور احمد ڈار اور خورشید احمد ڈار صاحبان کے ساتھ فرداً فرداً اظہار تعزیت کر کے صبر جمیل عطا کرنے کی دعا کی اور مرحوم مشتاق صاحب کے حق قرآن عظیم کے چند سورہا کے علاوہ تہلیلات بھیج کر مرحوم کے حق میں ایصال ثواب کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب کرے اور دوست واحباب کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین۔ مرکز سے محترم طارق احمد لون صاحب ،محترم زرگر صاحب مدیر الاعتقاد ،جناب نورالدین بٹ صاحب اور حاجی ماسٹر غلام مصطفےٰ صاحب کے علاوہ محترم علی محمد بٹ صاحب صدر زون نور آباد، اور دیگر کئی ممبران انجمن نے تعزیتی مجلس میں شرکت کی۔ مزید جنرل سکریٹری الحاج غلام احمد سہروردی صاحب دو سرے دن مرحوم عبدالصمد مشتاق صاحب کے سوگوار کنبوں کے ساتھ اظہار تعزیت کر کے مرحوم کے حق میں ایصال ثواب کر کے اللہ تعالیٰ سے ان کی جنت میں داخل ہونے کی دعا کی اور مرحوم کے دینی کارناموں پر انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔

مسماۃ شاہمالی زوجہ عبدالرحمان بٹ رنبہ ہامہ کولگام کا انتقال

عبدالرحمان بٹ برادر اکبر محترم گل محمد بٹ صاحب رنبہ ہامہ کوگام کی زوجہ محترمہ ۱۷/ اپریل ۲۰۱۷ء مطابق ماہ رجب ۱۴۳۸ھ اس دار فانی سے وفات پا گئی۔ انجمن کے اہم ممبران اور رکن محترم عطا اللہ نور آبادی، صدر زون محترم علی محمد بٹ صاحب کے علاوہ دیگر ممبران نے صاحب تعزیت کے گھر گئے اور مرحومہ کے حق میں ایصال ثواب کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مرحومہ کو جنت الفردوس نصیب ہو اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین۔ (رپوٹ:

مولانا سید عبدالرشید بخاری (دھرمنہ، بڈگام) کا انتقال

۲۱/ اپریل ۲۰۱۷ء کو علامہ سید محمد قاسم شاہ بخاری صاحب کے شاگرد رشید، عالم دین، مقرر شیریں بیان، نعت گو شاعر اور مفسر قرآن مولانا سید عبدالرشید بخاری صاحب کا انتقال ہوا۔ آپ نے فارسی زبان میں نعت لکھے ہیں جس سے آپ کے فارسی زبان پر عبور کے بارے بخوبی پتہ چلتا ہے۔ آپ کا تب بھی تھے۔ پیشہ سے استاد رہے مولانا رشید صاحب نے کشمیری زبان میں کلام اللہ کی تفسیر بھی لکھی ہے جو کہ ابھی تک شائع نہ ہو

سکی۔ صدر انجمن مولانا سید فرید الرحمٰن بخاری صاحب کی ہدایت پر ایک وفد زیرِ قیادت مولانا سید مشتاق احمد کھوسپوری صاحب (صدر ضلع سری نگر) مرحوم کے گھر واقع دھرمنہ بڈگام گئے اور مرحوم کو خراجِ عقیدت ادا کیا اور لواحقین خصوصاً جناب سید شکیل الرحمٰن بخاری صاحب (فرزند) اور جناب سید خورشید عالم صاحب (فرزند نسبتی) کے ساتھ اظہارِ تعزیت کیا۔ اس موقع پر مولانا سید مشتاق احمد صاحب نے فلسفہ موت و حیات پر ایک پُر مغز تقریر بھی کی۔ وفد میں سید آصف رضا (معاون مدیر ماہنامہ الاعتقاد و صدر زون نارہ بل)، جناب طارق احمد لون صاحب (ادارہ الاعتقاد)، جناب مفتی شہباز نعیمی صاحب (دارالعلوم حنفیہ عربی کالج نور باغ سری نگر) شامل تھے۔ (رپوٹ: سید آصف رضا)

☆ فروری 2017 میں جناب عبدالاحد راتھر ولد غلام محی الدین راتھر ساکن عالم گنج کا انتقال ہوا۔

☆ مارچ 2017 میں جناب الحاج عبدالغنی ڈار ولد عبدالرحیم ڈار ساکن عالم گنج کا انتقال ہوا۔

☆ مارچ 2017 میں ہی محترمہ دلشادہ بانو زوجہ محمد ایوب ہُرہ ساکن عالم گنج کا انتقال ہوا۔

(رپوٹ: غلام محمد لون؛ چیرمین دارالعلوم بخاریہ عالم گنج)

ادارہ دعا گو ہے کہ اللہ غفور الرحیم مرحومین کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بقیہ تبلیغی کارروائیاں

میں مولانا عطاء اللہ نُور آبادی صاحب کی سرپرستی میں ایک مجلس مولود النبی ﷺ منعقد ہوئی۔ مجلس میں خواجہ غلام حسن فتح، ماسٹر گل محمد صاحب، خواجہ علی محمد بٹ صاحب، امام بقعہ منظور احمد شاہ صاحب وغیرہ نے شرکت فرمائی۔ میزبانی کے فرائض خواجہ الحاج قمرالدین شاہ صاحب نے انجام دیے۔

مورخہ ۲۶ رجب کو محترم طاریق احمد لون صاحب کی دعوت پر مولانا عطاء اللہ نور آبادی صاحب نے مسجد ابوبکر صدیق ص بڈشاہ نگر سری نگر میں فلسفہ معراج پر بعد نماز عشاء مدلل رروشنی ڈالی۔ خواجہ علی محمد بٹ صاحب نے بھی شرکت فرمائی۔

مورخہ ۲۷ رجب کو درگاہ حضرتبل یارو میں ایک عظیم الشان مجلس معراج العالم ؐ کا انعقاد ہوا۔ رات بھر شب خوانی ہوئی۔ نمازِ ظہر سے قبل مولانا عطاء اللہ نُور آبادی صاحب نے فلسفۂ معراج پر مدلل روشنی ڈالی۔ خواجہ علی محمد بٹ صاحب نے بھی مجلس میں شرکت فرمائی۔ محترم سراج الدین شاہ صاحب اور حمید اللہ ہیلہ صاحب نے موئے ہائے مقدسات کی زیارت کروائی۔

معراج العالم کی اختتامی جمعۃ المبارک پر جامع مسجد گُدر (کولگام) میں محترم منظور احمد وانی صاحب کی دعوت پر مولانا عطاء اللہ نور آبادی صاحب نے "روحِ معراج" کے موضوع پر مدلل روشنی ڈالی۔ نمازِ جمعہ ڈھائی بجے ادا کی گئی۔ نمازِ جمعہ کی امامت پیرزادہ شریف الدین صاحب نے کی۔ میزبانی کے فرائض منظور احمد وانی صاحب اور مبارک احمد شاہ صاحب نے انجام دیئے۔

(رپوٹ: علی محمد بٹ؛ صدر زون نور آباد)